ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

اکتوبر ۱۹۹۵ء

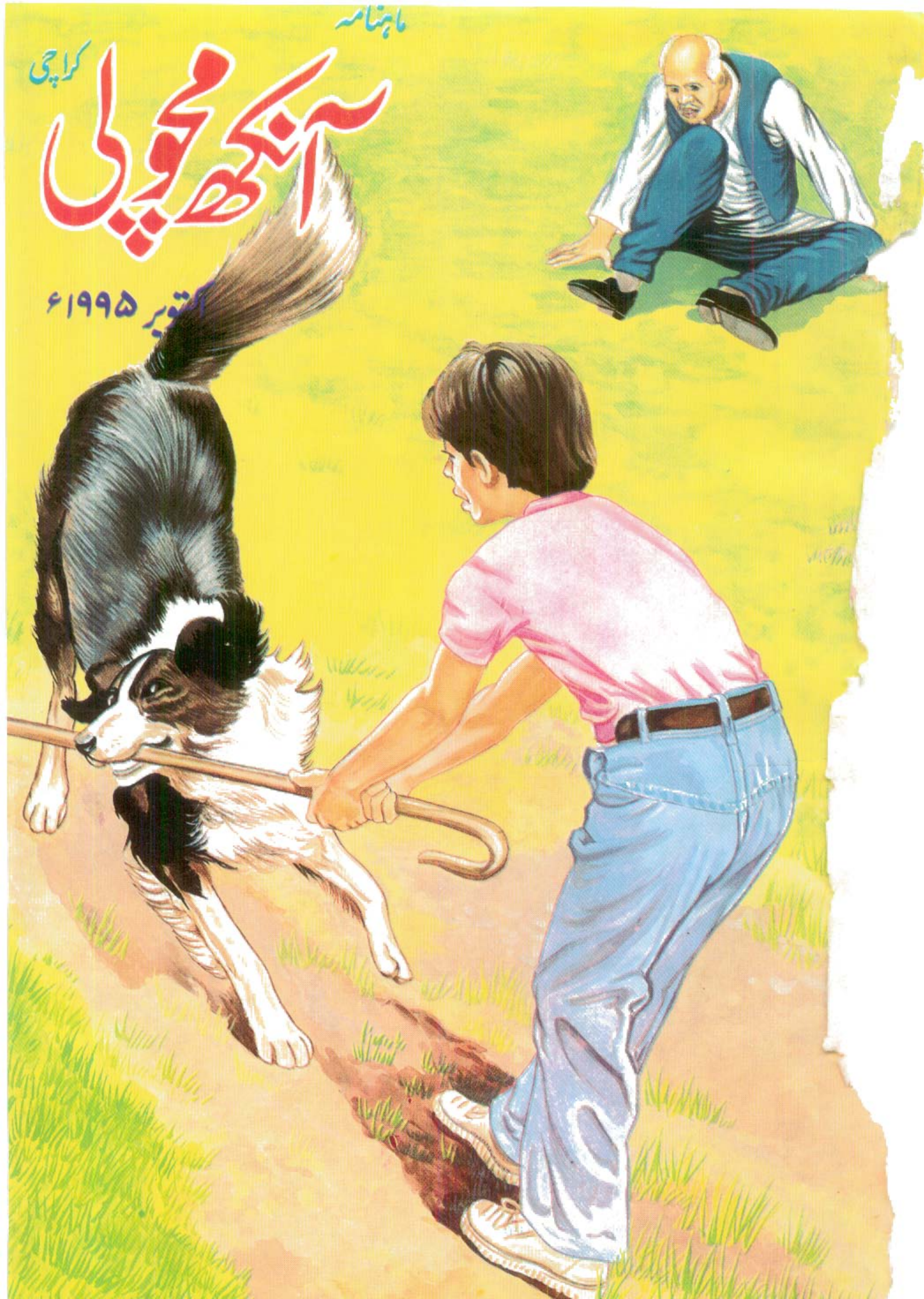

لذت، صحت اور توانائی!
کوئس® جام جیلی اور مارملیڈ
QUICE Pineapple Jelly
QUICE Orange Marmalade
QUICE Apple Jam
QUICE Black Currant Jam
QUICE Mango Jam
QUICE Mixed Fruit Jam
QUICE Apple Jelly
کوئس
کوئس فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ، حطار
مارکیٹنگ ڈیپارٹمنٹ
4944529 - 4933061

صحافت دم توڑ رہی ہے

کئی رسالے بند ہو چکے ہیں
بہت سے بند ہونے والے ہیں
اخبارات کے مالکان کی انجمن
"اے پی این ایس"
روزانہ چیخ رہی ہے!

مملکت کا چوتھا ستون لرز رہا ہے

اخباری کاغذ کی مسلسل مہنگائی
اخبارات اپنا وجود کیسے برقرار رکھ سکیں گے
اخبار ہی نہ رہے تو حکمرانوں اور معاشرے کا
احتساب کیسے ہوگا

مملکت کا چوتھا ستون لرز رہا ہے

APNS

CPNE

"مملکت کا چوتھا ستون لرز رہا ہے"

کیونکہ کاغذ مہنگا ہو گیا ہے
مہنگائی کا ذرا اندازہ لگائیے:

فروری ۹۴ء — کاغذ فی رم — ۲۳۵/= روپے
مارچ ۹۵ء — کاغذ فی رم — ۴۷۵/= روپے
۱۵ اگست ۹۵ء تک۔ کاغذ فی رم — ۵۶۰/= روپے

ایک سال میں کاغذ کی قیمت دو مرتبہ اور دو گنے سے زیادہ بڑھ چکی ہے۔ دوسرے اخراجات میں اضافہ اس کے علاوہ ہے۔ اب ایسی صورت میں ہمارے لیے رسالے کی قیمت بڑھانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ اب پرچے کی قیمت ۱۶ روپے کے بجائے ۱۸ روپے ہوگی۔

ہمیں آپ شکایتوں کا بھی علم ہے لیکن ذرا سوچئے ہم کس سے شکایت کریں۔ حکومت کاغذ پر ڈیوٹی کم کر دے تو کاغذ کی قیمت بھی کم ہو سکتی ہے۔ ازراہِ کرم صدر پاکستان، وزیر اعظم پاکستان اور وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات کو خط لکھئے اور کاغذ کی ڈیوٹی میں کمی کرنے کی درخواست کیجئے۔

ان شخصیات کے پتے یہ ہیں:

صدر پاکستان جناب فاروق لغاری، ایوانِ صدر اسلام آباد
وزیر اعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو، پرائم منسٹر سیکرٹریٹ، اسلام آباد
وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات جناب خالد کھرل، وزارت اطلاعات و نشریات، اسلام آباد

اِن شخصیات کو ضرور خط لکھئے۔ شاید بچوں کے اصرار پر حکومت اپنی پالیسی بدل دے۔!!

ادارہ آنکھ مچولی، کراچی

ظُلم اور دہشت کے خلاف ایک احتجاج

آنکھ مچولی کا

خصوصی شمارہ

مقتول بچے نمبر

ایک خصوصی دستاویز

دسمبر ۱۹۹۵ء میں منظرِ عام پر آ رہا ہے

وہ پھول سے کومل بچے
جو گلی کوچوں میں بے گناہ قتل کر دیے گئے
اسکول جانے والے بچے
جو اسکول سے لوٹ کر گھر نہیں آئے
تاوان وصول کرنے کے لیے اغوا کئے جانے والے بچے
جن کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا
اور وہ تمام بچے
جو کسی نہ کسی ظلم اور دہشت کا شکار ہو گئے
ان بچوں کے بارے میں آنکھ مچولی میں
جیتے جاگتے فیچر، جیتی جاگتی تصویریں، الم ناک کہانیاں، اداس کر دینے والی نظمیں، مظلوم والدین کے انٹرویوز

آپ بھی لکھئے

اگر آپ کے شہر یا محلے میں ایسے کسی بچے کا اغوا یا قتل ہوا ہو تو معلومات جمع کیجئے اور مضمون یا فیچر تحریر کیجئے۔

یہ ایک قومی خدمت بھی ہو گی اور تحریر کا معاوضہ بھی ملے گا!

مضامین بھیجنے کا پتہ: مدیرِ اعزازی ماہنامہ آنکھ مچولی، ۱-پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

آنکھ مچولی

جمادی الاوّل ۱۴۱۶ء اکتوبر ۱۹۹۵ء

شمارہ ۴

جلد ۱۰

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت

رکن پاکستان چلڈرنز میگزین سوسائٹی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

مدیر اعلیٰ

ظفر محمود شیخ

منتظم اعلیٰ

تجمل حسین چشتی

مدیر اعزازی

طاہر مسعود

مجلس ادارت

منیر احمد راشد، محمد عمر احمد خان

مینیجر اشتہارات

عمران احمد

مصوّر

مومن رحیم

فون نمبر: ۴۹۴۲۸۵۷ ۴۹۴۸۲۱۰

ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیرالدین میموریل آرگنائزیشن کے زیرِ سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی ۱۷-پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

قیمت: ۱۸ روپے

خوف کی اِک اَور وادی کا سفر
ہو رہا ہے آپ کے اِصرار پر

پہلے سے زیادہ خوفناک کہانیوں، واقعات، حادثات اور مضامین کے جلوس کے ساتھ

آنکھ مچولی کا ایک اور خوفناک نمبر

نومبر ۱۹۹۵ء میں شائع ہو رہا ہے۔

مگر اس خوفناک نمبر کے لئے آپ بھی تو کچھ لکھئے، مثلاً

◎ کوئی خوفناک کہانی یا واقعہ، ◎ کوئی سنسنی خیز نظم یا حادثہ

◎ دہشت سے متعلق کوئی مضمون ◎ کوئی دل ہلا دینے والی داستان

◎ یا کوئی خوفناک تصویر

لفظ لفظ خوف سے تھرتھراتا ہوا۔ حرف حرف ہیبت سے پھڑپھڑاتا ہوا

جلدی کیجئے

خوفناک نمبر کیلئے بے خوف ہو کر لکھئے آنکھ مچولی آپ کی تحریروں کا منتظر ہے

ہر قابلِ اشاعت تحریر کا معاوضہ دیا جائے گا ----

حسنِ ترتیب

سنہرے حروف	ادارہ	۸
ماہِ رواں کی پہلی بات	اداریہ	۹
نعتِ رسولؐ (نظم)	قتیل شفائی	۱۰
کیا ۸۶، لکھنا درست ہے؟	شہناز بانو	۱۱
حیرت انگیز انسان	محمد عظیم قریشی	۱۴
کتنا مزہ آئے گا	نصرت شمشاد	۲۰
وہی تو خدا ہے (نظم)	محمد جاوید خالد	۲۶
امیر خسرو	ڈاکٹر اسلم فرخی	۲۸
انعام	عثمان بن سلیم	۳۴
مقناطیسی لہریں	محمد عادل منہاج	۳۸
بنگال کا عظیم مجاہدِ آزادی	عنبرین فاطمہ چوہان	۴۴
سایہ ہم سایہ	نائلہ صدیقی	۴۹
کیمرہ	ابن سرور	۵۷
دلچسپ وصیت نامے	غلام عباس طاہر	۵۹
قصہ قرضے کا	فاروق حسن چانڈیو	۶۷
کھلنڈرے کی غزل (نظم)	ضیغم حمیدی	۶۸
ہنستے ہنستے	منتخب لطائف	۶۹
آلودگی کا جن	نگہت سرور	۷۵
لگڑ بگھا اور ہاتھی	آصف فرخی	۷۹
اب میں کیا کروں	ادارہ	۸۴
نہیں اچھا (نظم)	زاہد الحسن زاہد	۸۷
تابکاری اور بالائے بنفشی شعاعیں	نگہت آرا چوہان	۸۸
بنام آنکھ مچولی	خطوط کے جواب	۹۰
گیس (نظم)	اُفق دہلوی	۹۵
ہوا یوں کہ...	ادارہ	۹۶
سوال آدھا جواب آدھا	محمد بن مالک	۹۹
کہانی انسان کی	اسحاق منصوری	۱۰۰
قلم دوست	ننھی تحریریں	۱۰۷

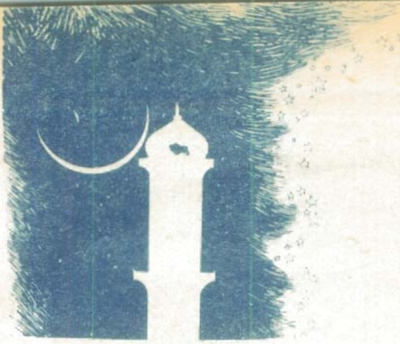

سنہرے حروف

ایک دفعہ عرب میں مکمل سورج گرہن ہوگیا۔ لوگ سخت خوف زدہ تھے' کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے پورا سورج گرہن نہ دیکھا تھا۔ سورج کی روشنی مدہم ہوتے ہوتے بالکل غائب ہوگئی تھی اور بالکل اندھیرا چھا گیا تھا.... اگرچہ دوپہر کا وقت تھا لیکن آسمان پر تارے دکھائی دینے لگے تھے۔ طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ اکثر لوگ سمجھ رہے تھے کہ شاید خدا کے کسی محبوب ترین بندے کا انتقال ہوگیا ہے۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ مجمع میں ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا :

"کیا تم نے نہیں سنا کہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بیٹے ابراہیم کا انتقال ہوگیا ہے۔"

تمام لوگ پکار اٹھے : "ہاں ہاں یہی وجہ ہے۔ یہی وجہ ہے۔"

رسول اللہؐ کو بھی اس کی اطلاع پہنچی کہ لوگ سورج گرہن کے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں۔ اس وقت تک رسول خدا کے دشمن سارے عرب میں تھے اور ان کی جان لینے کے درپے تھے لیکن سورج گرہن کے واقعے کا دشمنوں پر اس قدر اثر ہوا کہ ان میں سے اکثر رسولؐ اللہ کی نبوت پر ایمان لانے کے لئے آمادہ نظر آنے لگے تھے لیکن آپؐ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کیا..... اس کے برعکس آپؐ نے سب کو جمع ہونے کا حکم دیا اور جب سب لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا :

"یہ چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں۔ ان کا طلوع اور ان کی گردش اللہ کے حکم سے ہے۔ کسی انسان کی وفات پر کبھی کوئی گرہن نہیں لگتا۔ جب کبھی ایسا واقعہ دکھائی دے تو اللہ کو یاد کرو اور اس کی بارگاہ میں دعائیں مانگو۔"

یہ تھے ہمارے پیارے نبیؐ ...... جنہوں نے ہمیں جہالت اور توہم پرستی کے خلاف یاد رہ جانے والا سبق سکھایا۔

ماہِ رواں کی
پہلی بات

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے کسی دوسرے شہر سے صحابہ کرامؓ تشریف لائے۔ ان میں کچھ صحابی تو آپؐ کی زیارت کے لئے اتنے بے تاب تھے کہ مدینے پہنچتے ہی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن ان کی حالت ایسی تھی کہ سفر کے گرد و غبار میں اٹے ہوئے تھے۔ اس کے برعکس چند صحابیوں نے مدینہ پہنچنے کے بعد پہلے قیام کیا، پھر غسل وغیرہ کر کے تیار ہو کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچے۔ آپؐ نے ان کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا اور اس سلیقے و طریقے کو بالکل درست طرزِ عمل قرار دیا۔

اس واقعے سے پتا چلتا ہے کہ جلد بازی کی عادت اچھی نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور ملاقات سے عظیم اور مبارک کام اور کیا ہو سکتا ہے لیکن آپؐ نے اس کے لئے بھی صبر و سکون اور نظم و ضبط کی تلقین کی۔ غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس بات میں بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔ کام وہی سلیقے سے انجام پاتے ہیں جو سوچ سمجھ کر کئے جائیں۔ آج کل ہر کام میں عجلت اور تیزی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور اسے اچھا سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسے کام کا بجائے فائدے کے الٹا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس گفتگو سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ سستی اور کاہلی کوئی اچھی چیز ہے۔ کسی کام کو کرنے میں سستی اور غفلت برتنا ایک بات ہے اور اسی کام کو صبر اور سکون سے انجام دینا بالکل اور بات۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے اندر صبر و سکون کی خوبی پیدا کریں۔

آج ہماری زندگی میں جو انتشار، پریشانی اور وحشت نظر آتی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہمارا بے صبرا پن ہے۔ سڑکوں پر اکثر حادثات تیز رفتاری کی وجہ سے پیش آتے ہیں ٹریفک کے ہجوم میں ہر آدمی کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی گاڑی کو سب سے آگے بھگا لے جائے۔ کسی بس میں سوار ہوتے ہوئے لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر کھانے کی میز پر جو طوفان بدتمیزی مچتا ہے، وہ تو بیان سے باہر ہے۔ بجلی اور گیس کا بل جمع کراتا ہو یا اسکول کی فیس، ہر ایک کی جستجو یہی ہوتی ہے کہ قطار میں کھڑے ہو کر انتظار نہ کرنا پڑے ذرا سوچئے! اس جلد بازی اور بے صبرے پن کی عادت کی وجہ سے ہم لوگ دیکھنے میں کتنے غیر مہذب بلکہ اجڈ اور وحشی نظر آتے ہوں گے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ کسی کام کا ہو جانا ہی کافی نہیں ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ کام عمدہ طریقے سے انجام پائے۔ اور ظاہر ہے اس کے لئے تحمل، برداشت اور صبر و سکون کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے نہ صرف کام سلیقے سے مکمل ہوتا ہے بلکہ ایسے کام کو انجام دے کر سچی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو تجربہ کر دیکھئے۔

آپ کا دوست
طاہر مسعود

نعتِ رسول

قتیل شفائی

وہ ہر زمانے کے رہبر، وہ شافع محشر
وہ جن کے بعد نہ آئے گا کوئی پیغمبر
درود ان کے لئے ہے سلام ان کے لئے

وہ جن کا امی لقب تھا مگر تھے علم کے شہر
تمام دہر میں پھیلی ہے جن کے نور کی لہر
درود ان کے لئے ہے سلام ان کے لئے

نہ جن کا تخت کوئی تھا نہ تاج شاہانہ
ملا دلوں کی حکومت کا جن کو نذرانہ
درود ان کے لئے ہے سلام ان کے لئے

جو بھوک جھیل کے اوروں کا پیٹ بھرتے تھے
جو دشمنوں کے لئے بھی دعائیں کرتے تھے
درود ان کے لئے ہے سلام ان کے لئے

کیا ۷۸۶ لکھنا درست ہے؟

شہناز بانو

ابھی کچھ دیر پہلے میری ایک بہت اچھی دوست کا خط میرے نام آیا تھا۔ مجھے اس کی تحریر پاکر بڑی مسرت محسوس ہوئی میں اس کا خط پڑھ کر محظوظ ہو رہی تھی کہ اچانک میری نگاہ خط کے اوپری حصے پر پڑی اور میں سخت کوفت میں مبتلا ہو گئی۔ آپ حیران نہ ہوں' بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنے خط کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے تحریر کرنے کے بجائے ۷۸۶ سے کی تھی۔ یہ ایک ایسی غلطی ہے جو اکثر لوگ کرتے ہیں اور ان میں اچھے خاصے تعلیم یافتہ لوگ بھی شامل ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہر کام بسم اللہ سے شروع فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"ہر وہ کام جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے بے برکت ہو جاتا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں اور سرداروں کو جو خطوط تبلیغِ دین کے لئے تحریر کروائے' ان سب کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا۔

ہماری دوست ہی کی طرح بہت سے لوگوں کا یہ طریقۂ کار ہے کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ ۷۸٦ کا عدد تحریر کردیتے ہیں۔ حالانکہ اسلام میں کہیں بھی کسی عدد کو کسی قرآنی لفظ یا حروف کا بدل تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ ۷۸٦ کا عدد تحریر کرنے سے ہم نہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہٹ جاتے ہیں بلکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بے شمار برکتوں سے بھی محروم ہوجاتے ہیں۔

البتہ یہودیوں کے ہاں یہ چیز پائی جاتی ہے کہ وہ حروف کو اعداد کے طور پر استعمال کرتے ہیں، یہود اور نصاریٰ میں ۷ اور ۱۴ کے عدد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے ان کی مذہبی کتابوں میں ساتویں دن اور ساتویں سال کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کے لئے خاص احکام موجود ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو یہودی ان حروف کا عدد نکال کر یہ پیشن گوئی کرتے کہ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت اتنے ہی برس باقی رہے گی شاید آپ جانتے ہوں کہ عدد نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر حرف کا ایک عدد فرض کرلیتے ہیں اور کسی لفظ میں جتنے حروف آتے ہوں ان سب کو جمع کرلیتے ہیں اس سے عدد نکل آتا ہے۔ چنانچہ یہودیوں نے جب سورہ البقرہ میں الم سنا تو کہا کہ اس کے عدد ۷۱ ہیں اس لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ۷۱ سال باقی رہے گی۔ لیکن جب یہودیوں کو بتایا گیا کہ قرآن میں تو **المعص** بھی ہے جس کے عدد ۱٦۱ بنتے ہیں تو یہودی کہنے لگے کہ نہیں ان کی نبوت (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) ۱٦۱ سال باقی رہے گی اور جب بتایا گیا کہ القرآن میں آلسرا بھی ہے جس کے عدد ۲۳۱ ہیں تو وہ حیران ہو کر کہنے لگے کہ اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تو مزید ۲۳۱ سال باقی رہے گی۔ مزید بتایا گیا کہ ہمارے القرآن میں تو آلمر بھی ہے جس کے عدد ۲۷۱ ہیں پھر تو وہ پریشان اور الجھ کر بولے کہ نہیں پتہ کہ ان حروف کا کیا مطلب ہے۔

اس روایت سے سمجھ میں آتا ہے کہ حروف کو اعداد میں تبدیل کرنا اور استعمال کرنا یہودیوں کا کام ہے نا کہ مسلمانوں کا۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس سے قطعی طور پر پرہیز کرنا چاہئے آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ بسم اللہ اور ہندوؤں کا نعرہ ہرے کرشنا کے عدد مساوی ہیں یعنی ۷۸٦۔ اس مشابہت کے بعد تو ہمیں اپنی تحریروں میں ۷۸٦ لکھنے سے بالکل ہی پرہیز کرنا چاہئے۔ بہت سے نا سمجھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے اعداد ۹۲ تحریر کردیتے ہیں، یہ بھی انتہائی لاعلمی اور نا سمجھی کی بات ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف نام پڑھنا بلکہ اس کو مکمل طور پر لکھنا بھی

باعثِ سعادت و نجات ہے۔

ایک سروے کے مطابق جب لوگوں سے ان اعداد کو تحریر کرنے کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم تو بسم اللہ صرف اس لئے نہیں لکھتے ہیں کہ اگر کہیں کاغذ ادھر ادھر گر جائے تو اللہ کے نام کی بے ادبی نہ ہو۔ گویا اگر کسی کاغذ پر ۷۸٦ کے اعداد تحریر ہیں اور اگر وہ کہیں گر جائے تو اللہ کے نام کی بے حرمتی نہیں ہوگی۔

پھر اس طرح وہ خود اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ ۷۸٦ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا بدل نہیں ہے۔ لہٰذا میری آپ سے گزارش ہے کہ ۷۸٦ کا عدد استعمال کرنے کے بجائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا کریں اس طرح ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ادا کریں گے اور دوسرے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بے شمار برکتوں سے فیضیاب ہوں گے، اور تیسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہود اور نصاریٰ کی نقل سے بچیں گے۔

انعامی مقابلہ کہانی نویسی

ینگ رائٹرز فورم (پنجاب) نے مقابلہ کہانی نویسی کا اعلان کیا ہے۔ کہانی کا مرکزی خیال "آلودگی" ہونا چاہئے اور کہانی پانچ فل اسکیپ صفحات سے زائد نہ ہو۔ کہانی کے آخر میں اپنا نام، مکمل پتا اور طالب علم ہونے کی صورت میں تعلیمی ادارے کلاس وغیرہ کی تفصیل لکھیں۔ پہلا انعام پانچ سو روپے نقد اور سو روپے مالیت کی کتابیں، دوسرا انعام ٣٠٠ روپے اور سو روپے مالیت کی کتابیں اور تیسرا انعام ٢٠٠ روپے نقد اور سو روپے مالیت کی کتابیں دی جائیں گی۔ اس کے علاوہ دس خصوصی انعامات دیئے جائیں گے۔ کہانی پہنچنے کی آخری تاریخ ٢٠ر اکتوبر ١٩٩۵ء ہے۔

کہانیاں اس پتے پر ارسال کریں:

محمد عارف عثمان، پاکستان ینگ رائٹرز فورم

القرطبہ مارکیٹ۔ 5 اے فیروز پور روڈ، لاہور۔

حیرت انگیز انسان

محمد عظیم قریشی

اگر آپ سے پوچھا جائے کہ کیا کوئی آدمی زمین سے ستر فٹ کی بلندی پر ہوا میں چل سکتا ہے تو آپ یقیناً" یہی کہیں گے کہ یہ ناممکن ہے، لیکن تقریباً" ڈیڑھ سو سال قبل ایک ایسا آدمی گزرا ہے، جو ہوا میں چلتا تھا اور اپنی مافوق الفطرت قوتوں کے ایسے مظاہرے کرتا تھا کہ دیکھنے والوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا تھا۔ اس کی پر اسرار قوتیں یا صلاحیتیں اس وقت بھی ایسا راز تھیں جو کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔ اور آج سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی ایسا معما بنی ہوئی ہیں جسے کوئی حل نہیں کرسکا۔

آج میں آپ کو اسی پر اسرار آدمی کی کہانی سناتا ہوں۔

مافوق الفطرت قوتوں کا حامل یہ آدمی اسکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا۔ اس کا نام "ڈینیئل ڈگلاس ہوم" تھا۔ وہ ایڈبرگ (Adberg) کے قریب ایک مقام پر ۲۰ مارچ ۱۸۳۳ء کو پیدا ہوا۔ ابھی وہ چند برس کا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال

ہو گیا۔ جب وہ نو سال کا ہوا تو اس کی ماں اسے لے کر اپنی بہن کے پاس کنکٹی کٹ (امریکہ) آ گئی۔ کچھ عرصے بعد اس کی ماں بھی چل بسی۔ تب ڈینیئل کی خالہ اسے پروان چڑھانے لگی۔

چودہ برس کی عمر میں ڈینیئل کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ جب وہ چودہ سال کا ہوا تو عجیب و غریب باتیں رونما ہونے لگیں۔ ایک دن وہ کمرے میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا کہ اس کی نگاہ کونے میں رکھی چھوٹی میز پر جا پڑی جو اس کی طرف کھسک رہی تھی۔ وہ خود بخود کھسکنے والی میز کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا۔ پھر اس نے سوچا کہ شاید یہ اس کا وہم ہے لہٰذا وہ دوبارہ اخبار کا مطالعہ کرنے لگا۔ مگر کچھ دیر بعد اسے اپنی کرسی پر ایسا دباؤ محسوس ہوا جیسے کوئی اسے دھکیل رہا ہو۔ اس نے اخبار ہٹا کر دیکھا تو اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چھوٹی میز کرسی تک آپہنچی تھی اور وہی دباؤ ڈال رہی تھی۔ ڈینیئل نے میز کو پرے ہٹانا چاہا مگر الٹا میز کے دباؤ سے دیوار سے جا لگا اور دہشت زدہ ہو کر کمرے سے بھاگ نکلا۔

وہ لرزتا کانپتا خالہ کے پاس پہنچا اور اسے میز کے بارے میں بتایا۔ لیکن خالہ کو اس پر یقین نہ آیا اور انہوں نے اس سے کہا کہ تمہیں ضرور وہم ہوا ہے۔ مگر دوسری صبح پھر ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ اس وقت ڈینیئل کی خالہ بھی موجود تھیں۔ ہوا یوں کہ خالہ ناشتے کی ٹرے لائیں اور اسے میز پر رکھ کر کرسی پر بیٹھنے ہی والی تھیں کہ کرسی یکدم پیچھے کی جانب کھسک گئی اور وہ گرنے سے بال بال بچیں۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ شرارت ڈینیئل نے کی ہے۔ چنانچہ غصے سے بولیں "تمہیں یہ شرارت کرتے ہوئے شرم نہیں آتی! اگر میں گر جاتی اور مجھے چوٹ لگ جاتی تو؟"

ڈینیئل نے صفائی پیش کی کہ اس نے یہ حرکت نہیں کی تھی مگر خالہ کو یقین نہ آیا اور انہوں نے ڈینیئل کو طمانچہ رسید کر دیا۔ اگلے دو ہفتے ڈینیئل کے لئے عذاب بن گئے۔ کمرے میں میز، کرسیاں اور دوسری چیزیں بے ترتیب ملتیں۔ خالہ یہی سمجھتیں کہ یہ ڈینیئل کی شرارت ہے۔ مگر پھر اسے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ جب ڈینیئل گھر پر نہ ہوتا تو بھی فرنیچر ادھر ادھر بکھرا ہوا ملتا۔ تب خالہ کہ خیال آیا کہ ان کے گھر میں بھوتوں اور آسیبوں نے بسیرا کر لیا ہے اور وہی یہ حرکتیں کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ گرجا گھروں سے پادریوں کو بلا لائیں کہ وہ ان آسیبوں اور بھوتوں کو بھگا دیں۔ پادریوں نے بھوتوں کو بھگانے کی کوشش کی تو ان عجیب حرکات میں کمی کی بجائے اضافہ ہو گیا۔ کبھی کبھی بند گٹار خود بخود بجنے لگتا اور کبھی باورچی خانے میں رکھے برتن یوں بج اٹھتے جیسے کوئی غیر مرئی ہستی انہیں آپس میں ٹکرا رہی ہو۔

ڈینیئل کی خالہ ان واقعات سے اتنی خوفزدہ ہوئیں کہ بیمار پڑ گئیں۔ تب ڈاکٹروں نے ڈینیئل سے کہا "ایسا لگتا ہے کہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہے لہٰذا سب کی بہتری اسی میں ہے کہ تم یہاں سے کسی اور جگہ چلے جاؤ۔"

ڈینیئل بے چارے کا کوئی اور ٹھکانہ نہیں تھا۔ مگر خالہ کی خاطر اس نے سامان باندھا اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ لیکن اسے دربدر کی خاک نہیں چھاننا پڑی۔ بہت سے متجسس لوگوں نے اسے اپنے ہاں رہنے کی دعوت دی تو اس نے ایک دعوت قبول کرلی اور پھرباقی زندگی وہ اس طرح کے متجسس لوگوں کے گھروں میں قیام کرتا رہا۔جلد ہی اس کے متعلق پورے "میساچوسٹس" میں بہت سی باتیں مشہور ہوگئیں۔ کچھ لوگ اسے غیر معمولی قوتوں کا مالک اور بعض لوگ اسے جھوٹا شعبدہ باز سمجھنے لگے۔

۱۸۵۰ء کی ایک رات ڈینیئل اسپرنگ فیلڈ (Spring Field) (میساچوسٹس) کے ایک متمول آدمی "روفس ایلمرز" کے ہاں مہمان تھا۔ ایلمرز نے ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ جس میں ہاورڈ یونیورسٹی کے کچھ سائنس دان بھی مدعو تھے۔ کھانے کی میز بڑے لوازمات سے سجی ہوئی تھی۔ روشنی کا بھی اچھا خاصا اہتمام تھا۔ اچانک سب نے دیکھا کہ کھانے کی میز فضا میں بلند ہوئی اور ایک جانب ساٹھ درجے کا زاویہ بنا کر جھک گئی لیکن اس پر رکھے ہوئے لوازمات، چھریاں، کانٹے اور شیشے کے گلاس ویسے کے ویسے رکھے رہے اور کوئی چیز بھی فرش پر نہ گری تو حاضرین ششدر رہ گئے۔ آخر سائنس دانوں نے مشترکہ طور پر تحریری بیان دیا کہ انہوں نے ڈینیئل کے بارے میں جو کچھ سنا تھا وہ بالکل سچ تھا۔

مگر ڈینیئل کے مخالفوں نے کہا کہ "یہ سب نظر بندی کا کرشمہ تھا۔ ڈینیئل نے سب کو ہپناٹائز کردیا ہوگا" ڈینیئل نے مخالفت کرنے والوں کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی اسے جواب دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی کیونکہ ۱۸۵۲ء میں ایک حیرت انگیز مظاہرے نے ان سب کے منہ بند کردیئے۔

ہوا یوں کہ آٹھ اگست ۱۸۵۲ء کی رات ایک امریکی اخبار کا ایڈیٹر "مسٹر ایف۔ ایل بر" ڈینیئل سے بحث کر رہا تھا۔ اس وقت ڈینیئل اور "ایف۔ ایل بر" ریشم کے ایک صنعت کار "وارڈ چینی" کے ہاں رات کے کھانے پر مدعو تھے۔ یہ صنعت کار بھی ڈینیئل کی غیر فطری قوتوں کا قائل نہیں تھا۔ کھانے کے بعد جب وہ ڈینیئل سے بحث کررہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ مسٹر بر نے اس واقعہ کے بارے میں یوں بتایا :

"کھانے کے بعد ہم آتش دان کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے بحث کر رہے تھے کہ اچانک ڈینئیل بیٹھے بیٹھے ہوا میں بلند ہونے لگا۔ یہ عمل ایک مرتبہ نہیں بلکہ تین بار ہوا اور تیسری بار تو وہ چھت تک پہنچ گیا۔ اس وقت وہ پُرجوش بھی لگ رہا تھا اور خوف زدہ بھی۔" وہ پُرجوش اور خوف زدہ اس لئے تھا کہ خود اس پر بھی یہ انکشاف پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ وہ یوں بھی ہوا میں معلق ہو سکتا ہے۔

دوسرے روز تمام اخبارات نے اس حیرت انگیز مظاہرے کی خبریں شائع کیں تو ڈینئیل کی شہرت میں مزید اضافہ ہو گیا اور اس کی شہرت اور ان حیرت انگیز مظاہروں کے چرچے امریکہ سے نکل کر یورپ کے بہت سے دوسرے ممالک میں پھیل گئے۔ ڈینئیل نے اپنی شہرت کے پیش نظر یورپ اور انگلینڈ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

۱۸۵۵ء میں ڈینئیل لندن آیا تو اس وقت کے ممتاز سائنس دان ولیم کروکس نے یہ جانچنے کے لئے کہ ڈینئیل ہوا میں معلق ہونے کے لئے کسی شعبدہ بازی سے کام تو نہیں لیتا، ڈینئیل سے اپنی غیر فطری صلاحیت کا مظاہرہ کرنے کے لئے کہا تو ڈینئیل کئی مرتبہ ہوا میں معلق ہو گیا۔ ولیم کروکس نے اس کے نیچے اوپر اور چاروں طرف ہاتھ گھما کر دیکھا کہ وہ کسی چیز یعنی تاروں وغیرہ کے سہارے تو نہیں ہے مگر اس کے چاروں طرف خلا ہی خلا تھا۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد ولیم کروکس نے سائنس کی ترقی کے لئے قائم شدہ برٹش ایسوسی ایشن کو بیان دیتے ہوئے اس امر کی تصدیق کی کہ ڈینئیل کو قدرت نے ناقابل یقین و حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس دور کا مشہور شاعر "رابرٹ براؤ ننگ" بھی

دنیا کا انتہائی زہریلا پودا

دنیا کا انتہائی زہریلا پودا اسکوئرنگ کوکومبر ہے۔ جو شخص اس پودے کو ہاتھ لگاتا ہے تو یہ اپنے بیج اور زہریلے مادے کی پھوار کرتا ہے اور انسان فوراً مر جاتا ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا بلب

دنیا کا سب سے بڑا بلب پچاسی کلوواٹ کا ہے۔ اسے جاپان نے تیار کیا ہے اس کی روشنی اتنی تیز ہے کہ اس سے چھ گز کے فاصلے پر اخبار پڑھا جا سکتا ہے اس بلب کی لمبائی ۲۶ انچ اور وزن ۵۰ پونڈ ہے۔

چلتے پھرتے مکان

نیو ساؤتھ ویلز میں ایک ایسا گاؤں واقع ہے جہاں تمام مکانات لکڑی کے بنے ہوئے ہیں۔ اور ہر مکان کے نیچے پہیے لگے ہوئے ہیں۔ بوقت ضرورت مکان کو ادھر ادھر لے جایا سکتا ہے۔

مخالفین میں شامل تھا۔ جس نے ڈینیئل کے خلاف ایک نظم بھی لکھی لیکن ڈینیئل اپنی مخالفت کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتا رہا ڈینیئل اپنے ان مظاہروں سے بڑی دولت کما سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور لوگوں کو یہ مظاہرے بالکل مفت دکھاتا رہا۔ اس نے ملک کے بڑے بڑے لارڈز (نوابوں) کو اپنے کمالات دکھائے۔ یہیں اس نے اپنی زندگی کا سب سے زیادہ حیرت انگیز مظاہرہ بھی کیا۔ جسے دیکھ کر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس دن وہ ایشلے ہاؤس میں مہمان تھا۔ وہ میزوں اور کرسیوں کو اپنی حیرت انگیز صلاحیت کے بل بوتے پر ادھر ادھر کھسکاتا۔ اس کے دوست یہ سب دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ ڈینیئل اٹھ کر کمرے میں تیزی سے ٹہلنے لگا۔ پھر وہ بولا "لوگوں نے مجھے ہوا میں معلق تو دیکھا ہے لیکن آج میں آپ کو ایک ایسا دلچسپ تماشا دکھاؤں گا جو کسی نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ پہلے کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے دوسرے کمرے کی ایک کھڑکی کھلنے کی آواز سنی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ اچانک ایک مہمان کو خیال آیا کہ کہیں ڈینیئل نے کھڑکی سے کود کر خودکشی تو نہیں کرلی۔ اس نے کہا کہ کہیں ڈینیئل نے کھڑکی سے کود کر خودکشی کا انوکھا تماشا دکھانے کو تو نہیں کہا تھا؟

یہ سن کر سب مہمان دوسرے کمرے کی طرف لپکے اور کھڑکی سے جھانک کر جو منظر انہوں نے دیکھا وہ ان کے لئے رونگٹے کھڑے کردینے کے لئے کافی تھا.......

ڈینیئل زمین سے قریباً ستر فٹ کی بلندی پر ہوا میں یوں چل رہا تھا جیسے مچھلی پانی میں تیرتی ہے۔ وہ چند منٹوں تک ہوا میں تیرتا رہا اور قلابازیاں کھاتا رہا، پھر کھڑکی سے کمرے کے اندر آگیا۔ اس وقت اس کا چہرہ قدرے زرد ہو رہا تھا۔ دیکھنے والوں پر یہ سوچ کر لرزہ طاری تھا کہ اگر وہ ستر فٹ کی بلندی سے زمین پر آگرتا تو اس کی ہڈیاں چکنا چور ہوجاتیں۔ مگر وہ بالکل صحیح سالم ان کے سامنے موجود تھا۔ عالم فاضل لوگ ڈینیئل کی زندگی میں بھی اس کی پراسرار صلاحیتوں کے بارے میں بحث کرتے رہے اور اس کی موت کے بعد بھی۔ اس کا انتقال ۱۸۸۶ء میں فرانس کے ایک مقام "آتوئل" میں ہوا تھا۔

ڈینیئل نے اپنی زندگی میں دو کتابیں لکھی تھیں۔ ایک کا نام "میری زندگی کے واقعات" تھا جبکہ دوسری کتاب کا نام "روحوں کی روشنیاں اور پرچھائیاں" تھا مگر ان دونوں کتب میں اس کی مافوق الفطرت صلاحیتوں اور قوتوں کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا۔

خالد خلیل

نئی نئی گاڑیاں

یہ گاڑی فوکس ویگن بنانے والی کمپنی نے مستقبل کے لئے تیار کی ہے۔ اس گاڑی کے دروازوں کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ اوپر کی جانب کھلتے ہیں چنانچہ اگر گاڑی کسی چھوٹی جگہ میں بھی پارک ہو تو دروازے کھولنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔

یہ ایک مرسیڈیز گاڑی ہے۔ جی ہاں! مرسیڈیز لیکن شہری استعمال کے لئے۔ مرسیڈیز کمپنی نے یہ گاڑی خصوصی طور پر گنجان شہری علاقوں کے لئے ڈیزائن کی ہے۔ یہ الیکٹرک بیٹری سے چلتی ہے اور بہت جلد عام ہو جائے گی۔

یہ تصویر ایک گیارہ فٹ لمبی گاڑی کی ہے اس گاڑی کا نام 'Ka' ہے اور فورڈ کمپنی نے اس گاڑی کو روشناس کرایا ہے امید ہے کہ یہ گاڑی ۱۹۹۶ء کے آخر تک مارکیٹ میں آجائے گی۔

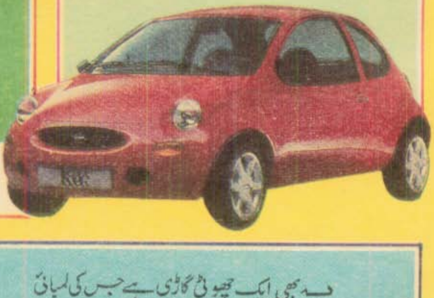

یہ بھی ایک چھوٹی گاڑی ہے جس کی لمبائی دس فٹ سات انچ ہے یہ الیکٹرک پاور سے چلتی ہے اس گاڑی کو ماہرین نے شہری علاقوں کے لئے بہترین قرار دیا ہے۔ یہ گاڑی بھی بہت جلد مارکیٹ میں آجائے گی۔

کتنا مزہ آئے گا

نصرت شمشاد

"حرا تم دیکھنا بہت جلد میرا شمار بچوں کے بہترین رائٹروں میں ہوگا۔ میری کہانیاں بچوں کے رسالوں میں شائع ہوں گی ہر جگہ شہرت ہوگی اور مجھے بہترین مصنفہ کے ایوارڈ ملیں گے۔ کتنا مزا آئے گا۔" صائمہ نے حرا کو اپنے نیک ارادوں سے آگاہ کیا۔ اس کی بات سن کر حرا اچھل ہی تو پڑی۔

"کیا! ابھی پچھلے ہفتے جب میں آئی تھی تو اس وقت تو تم کہہ رہی تھیں کہ شاعرہ بننے کا فیصلہ کرچکی ہو۔" حرا حیرت سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"ہاں بھئی یاد ہے مجھے۔ اب میری یادداشت اتنی بھی کمزور نہیں ہے مگر اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ شاعری کرنا اتنا مشکل کام ہے۔ سچ ایک ہفتہ ہوگیا ہے سوچتے سوچتے مگر مجال ہے جو کوئی ایک مصرعہ بھی ہوا ہو۔ میری توبہ اتنا مشکل کام میں تو نہیں کرسکتی۔"

صائمہ نے منہ بنایا۔ حرا اس کی بات سن کر دنگ رہ گئی ابھی صرف ایک ہفتے پہلے وہ شاعری کے حق میں اس طرح بول رہی تھی کہ لگتا تھا جیسے دنیا میں اس سے بہتر کوئی کام نہیں ہے اور آج؟

"اچھا چھوڑو اس بحث کو یہ بتاؤ کہ تمہیں مصنفہ بننے کا ہی خیال کیوں آیا میرا مطلب ہے کہ تم کچھ اور بھی تو بن سکتی ہو۔ مثلاً ماسی تم بہت اچھی بن سکتی ہو۔" حرا آدھا جملہ ہی زبان سے ادا کر سکی اور باقی آدھا جملہ صرف سوچ کر رہ گئی۔ کیونکہ اگر صائمہ صاحبہ کو اپنے بارے میں حرا کے ان نیک خیالات کا علم ہو جاتا تو وہ خود تو جو کچھ بنتی سو بنتی البتہ اسے ضرور ماسی مصیبتے بنا دیتی

"ارے وہ کل میں امی کے ساتھ مارکیٹ گئی تھی آتے ہوئے بچوں کا ایک رسالہ لے آئی۔ قسم سے حرا ایسی ایسی بور کہانیاں اس میں چھپی تھیں کہ کیا بتاؤں۔" صائمہ نے گویا تمہید باندھی مگر حرا سے اس کا سفید جھوٹ برداشت نہ ہو سکا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے میں خود دو تین رسالے باقاعدگی سے پڑھتی ہوں، اتنی اچھی اور دلچسپ کہانیاں ہوتی ہیں میں تو ایک ایک کہانی کو دو دو بار پڑھتی ہوں۔" حرا نے صائمہ کو چڑانے کے لئے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی تعریف کر دی۔

اچھا اب مجھے جلانے کے لئے اتنا جھوٹ بولنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال تم کچھ بھی کہو میں کم از کم ان کہانیوں سے بہت بہتر لکھ سکتی ہوں۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں رائٹر ہی بنوں گی اور تم دیکھنا کہ میں کیسی کہانیاں لکھتی ہوں۔" اس نے ڈھٹائی سے حرا کو دیکھا۔

"تو کیا تم کہانیاں لکھ لوگی بڑا مشکل اور تخلیقی کام ہے یہ، ہر کسی کے بس کا روگ نہیں ہے۔" حرا نے اسے باز رکھنے کی آخری کوشش کی اِس کی بات سن کر صائمہ تڑپ سی گئی۔ "کیا مطلب ہے تمہارا، تو کیا تم نے اتنا کند ذہن سمجھ لیا ہے۔ تم دیکھنا میں کیسی کہانیاں لکھتی ہوں۔" صائمہ نے فخر سے حرا کو دیکھا۔

صائمہ اور حرا دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں۔ دونوں نے میٹرک سائنس ایک ہی اسکول سے کیا تھا۔ حرا نے تو آگے بھی سائنس ہی لی تھی مگر صائمہ نے میٹرک کے بعد سائنس پڑھنے سے توبہ کر لی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ سائنس پڑھنے سے تو بہتر ہے کہ آدمی پڑھے ہی نا۔ ان اعلیٰ خیالات کا اظہار اس نے میٹرک کرنے کے بعد کیا تھا حالانکہ اس وقت جب نویں جماعت میں مضامین چننے کا وقت آیا تھا تو اس نے خود ہی سائنس کا انتخاب کیا تھا۔ اس وقت سب گھر والوں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ آرٹس کی تعلیم حاصل کرے کیونکہ سائنس پڑھنا اس کے بس کا

روگ نہیں ہے۔ لیکن سب کے منع کرنے کے باوجود اس نے سائنس کا انتخاب کیا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ وہ نہ صرف سائنس پڑھ سکتی ہے بلکہ کئی لوگوں سے بہتر پڑھ سکتی ہے اور یہ کہ وہ ڈاکٹر بننا چاہتی ہے جس کے لئے سائنس پڑھنا بے حد ضروری ہے مگر سب جانتے تھے کہ وہ ڈاکٹر تو کیا نرس بھی نہیں بن سکتی تھی اِس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس میں اتنی صلاحیت نہ تھی بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر نرس یا کچھ بھی بننے کے لئے محنت اور مستقل مزاجی کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور صائمہ کی طبیعت میں ان دونوں ہی چیزوں کا شدید فقدان تھا اِسی لئے جب اس نے میٹرک کے بعد آرٹس لینے کی خواہش ظاہر کی تو کسی کو حیرت نہیں ہوئی کیونکہ یہ تو ایک ہونی تھی جو ہو کر رہی۔

دراصل لاپرواہی اور غیر مستقل مزاجی اس کی فطرت میں شامل تھی وہ کسی ایک کام کو توجہ سے کر ہی نہ سکتی تھی ایک کام کر رہی ہوتی تو دیگر دس باتیں بھی ذہن میں گردش کر رہی ہوتیں۔ اور اس کی دوسری بڑی خامی یہ تھی کہ وہ کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے ہی ہر کسی کے سامنے ڈینگیں مارنا شروع کر دیتی تھی کہ وہ اس کام میں ضرور کوئی بڑی کامیابی حاصل کرے گی اور ہر وقت اسی کام کی تعریفوں کا کلمہ پڑھتی رہتی اور جب بعد میں وہ اس کام کو کرنے میں ناکام ہو جاتی تو پھر اسی کام میں اسے ہزاروں خامیاں اور برائیاں نظر آنے لگتیں۔ وہ درحقیقت کوئی ایسا کام کرنا چاہتی تھی جس میں محنت بھی نہ کرنی پڑے اور شہرت اور کامیابی بھی حاصل ہو جائے۔ صائمہ کے بارے میں اس کی والدہ کا خیال تھا کہ اس کے دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا ہے جبھی بیٹھے بٹھائے اچانک اسے پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں۔ ایک دن وہ اپنی کلاس فیلو کے ساتھ گرلز کراٹے سینٹر چلی گئی۔ بس پھر کیا تھا وہاں سے آنے کے فوراً بعد صائمہ بی نے خاندان بھر میں اعلان کر دیا کہ وہ کراٹے ضرور سیکھے گی اور جلد ہی ملک کی بہترین کراٹے کاز بن کر ساری دنیا میں اپنے فن کے ذریعے پاکستان کا نام روشن کرے گی۔ گھر کے ہر فرد نے اسے سمجھایا کہ وہ احمقانہ حرکتیں چھوڑ دے۔ مگر وہ صائمہ ہی کیا جو کسی کی بات سن لے اور سن کر مان بھی لے۔ خیر اگلے ہی دن اس نے بھی کراٹے سینٹر میں داخلہ لے لیا اور پھر صرف دو دن ہی باقاعدگی سے کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد محترمہ کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور وہ سچے دل سے اس محاورے کی قائل ہو گئی کہ "واقعی دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔" اسی طرح اکثر وہ مختلف اقسام کی احمقانہ حرکتیں کرتی رہتی۔ مثلاً کبھی وہ سوچتی کہ وہ ملک کی سب

سے بہترین گلوکارہ بنے تو کبھی اسے خیال آتا کہ اس میں اداکاری کرنے کی بے پناہ صلاحیتیں موجود ہیں تو کبھی اس کے دل میں یہ خواہش مچلتی کہ وہ ٹینس کی اتنی پرفیکٹ کھلاڑی بنے کہ ارانزا سانچز ویکاریو اور اسٹیفی گراف اس کے ڈر سے ٹینس سے ریٹائرمنٹ لینے پر مجبور ہوجائیں۔ اسے یہ شوق یا بقول اس کی والدہ کے 'پاگل پن کے دورے چند دنوں کے لئے پڑتے تھے اور پھر وہ جلد ہی ہر کام سے بے زار بھی ہوجاتی تھی۔ ابھی صرف ایک ہفتے پہلے ہی وہ پورے خاندان میں یہ ڈھنڈورا پیٹتی پھر رہی تھی کہ وہ اس صدی کی سب سے عظیم شاعرہ بنے گی اور اب وہ شاعرہ بننے کا ارادہ ملتوی کرکے کہانی نویس بننے کا فیصلہ کرچکی تھی اور حسب عادت پورے خاندان کو اطلاع بھی دے چکی تھی۔

رات کے تقریباً" بارہ بجے کا عمل تھا۔ سارے گھر کی لائٹس بند تھیں اور سب گھر والے خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے تھے لیکن صائمہ صاحبہ خرگوش اور کچھوے کی صدیوں پرانی کہانی کو ایک بار پھر لکھنے کی کوشش میں مصروف تھیں پورے کمرے میں کاغذ کے چھوٹے بڑے ٹکڑوں کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ کمرے کے فرش پر جگہ جگہ سیاہی سے نقش ونگار بنے ہوئے تھے اور صائمہ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھی سر پر ہاتھ دھرے غور وفکر کے جانے کس سمندر میں غوطے لگارہی تھی۔ اتنی غور و فکر تو شاید نیوٹن نے حرکت کے تین قوانین دریافت کرتے وقت بھی نہ کی ہوگی۔ چند لمحے اسی پوزیشن میں بیٹھے رہنے کے بعد اچانک ہی اسے جانے کیا دورہ پڑا کہ اس کاپی کو جس پر وہ بقول اس کے 'عظیم تاریخی کہانی لکھنے میں مصروف تھی اٹھا کر فرش پر پٹخا اور قلم کو بند کرکے ٹیبل پر چھوڑ دیا۔ "یااللہ میری توبہ پورے تین گھنٹے ہوگئے ہیں مگر مجال ہے جو کوئی ایک کہانی بھی مکمل ہوئی ہو (کیونکہ محترمہ کا خیال تھا کہ وہ ایک گھنٹے میں دو تین کہانیاں لکھ سکتی ہیں) اس سے اچھا ہے کہ میں..." اچانک اس کی نظر کمرے کے فرش پر سیاہی سے بنے نقش ونگار پر پڑی۔ "ہاں پینٹنگ شروع کردوں' ارے واہ کتنا شاندار آئیڈیا ہے ذہن میں۔ ایک تو میں بھی کتنی پاگل ہوں' پہلے اس طرف دھیان کیوں نہ دیا۔" اس نے خود ہی بڑبڑاتے ہوئے اپنے سر پر چپت لگائی اور پھر رات ہی رات میں یہ مکمل فیصلہ کرکے کہ وہ ضرور ایک عظیم مصورہ بنے گی' اتنی عظیم کہ پکاسو جیسے بڑے مصور کی تخلیقات سے اس کی تصویروں کا مقابلہ کیا جائے گا یہ خیالی پلاؤ پکا کر کھاچکنے کے بعد وہ پرسکون ہو کر سوگئی۔

دوسرے دن صبح ناشتے کی میز پر ہی اس نے حسبِ عادت سب گھر والوں کو اپنے نئے ارادے

کے بارے میں اطلاع دے دی اور لگی ڈینگیں مارنے۔ "امی جان آپ دیکھئے گا آپ کی بیٹی کتنی بڑی مصورہ بنے گی کہ لوگ اس سے انٹرویو کے لئے وقت مانگا کریں گے اور جب آپ گھر سے نکلا کریں گی تا تو لوگ آپ کو دیکھ کر کہا کریں گے کہ وہ دیکھو وہ جا رہی ہیں صائمہ عنایت اللہ کی والدہ اور..." مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بولتی اس کی والدہ ایک غصیلی نظر اس پر ڈال کر کچن میں چلی گئیں اور ان کے جانے کے بعد اس کے چھوٹے بہن بھائی اس پر ہنسنے لگے۔ یہ دیکھ کر وہ شرمندگی چھپانے کی خاطر وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ ٹرن ٹرن .... ٹرن مگر راستے ہی میں فون کی گھنٹی نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا۔ "کون۔" اس نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا۔ "میں بول رہی ہوں حرا۔" دوسری جانب سے حرا کی آواز سنائی دی۔ "اتنے دن ہو گئے گھر کیوں نہیں آئی تم۔" صائمہ نے اسے جھاڑا۔ "ارے اس کو چھوڑو تم اپنی سناؤ تمہارا مصنفہ بننے کا شوق کہاں تک پہنچا کتنی کہانیاں لکھ لی ہیں اور اب تک رسالوں کو کتنی ارسال کر چکی ہو۔" حرا نے پوچھا۔

"میری توبہ میرا دماغ خراب ہے جو میں مصنفہ بنوں گی۔ میرا تو خیال ہے کہ مصنفہ بننے میں کوئی فائدہ نہیں ہے سوائے نقصان کے۔ اب دیکھو نا دس دس دن کی محنت کے بعد ایک کہانی لکھی جاتی ہے۔ آدھا دماغ تو اسی میں ختم ہو جاتا ہے۔ اوپر سے ایڈیٹر صاحبان کے نخرے الگ کہ یہ موضوع اچھا نہیں ہے، یہ کہانی صحیح نہیں لکھی گئی ہے، وہ کہانی طویل بہت ہے وغیرہ اور عجیب عجیب شرائط ہیں کہ کہانی صفحے کی ایک جانب ایک لائن چھوڑ کر لکھیں۔ لفافہ کا خرچہ الگ اپنی جیب خرچ سے نکالنا پڑتا ہے اور اتنا کچھ کرنے کے بعد کہانی بھیجو اور نام "مزید محنت کی ضرورت ہے" کے کالم میں آجائے۔ نہ بابا نہ یہ کام میرے بس کا تو نہیں ہے۔" صائمہ نے حسبِ عادت جواب دیا اس کی باتیں سن کر حرا کو کچھ زیادہ حیرت نہیں ہوئی کیونکہ یہ تو اس کی پرانی عادت تھی کہ جس کام کو وہ کر نہیں پاتی تھی اس میں اسی طرح کیڑے نکال دیا کرتی تھی۔ "اچھا اب آگے کیا ارادہ ہے۔" حرا اصل بات پر آئی۔ صائمہ تو جیسے منتظر ہی تھی کہ حرا اس سے یہ سوال پوچھے فوراً چہکی۔ "ارے ڈیئر فرینڈ ارادہ بڑا ہی ونڈر فل ہے تم سنو گی نا تو خوش ہو جاؤ گی، میں اب مصورہ بننے کے بارے میں سوچ رہی ہوں کہو کیسا آئیڈیا ہے۔" صائمہ نے داد طلب لہجے میں پوچھا۔ "اوہ میرے خدا فن مصوری پر رحم فرما۔" صائمہ کی بات سن کر بے ساختہ حرا کے منہ سے نکلا۔ "ارے بے وقوف لڑکی یہ اللہ تعالیٰ کا فن مصوری پر رحم

ہی تو ہے کہ مابدولت کو مصورہ بننے کا خیال آیا ہے۔ تم دیکھنا حرا انشاء اللہ بہت جلد تمہاری یہ دوست ملک کی مشہور مصورہ ہوگی میری تخلیقات کا مقابلہ صادقین اور پکاسو جیسے عظیم مصوروں کی تخلیقات سے کیا جائے گا۔" وہ اترائی۔ "مگر ایوارڈ کا کیا ہوگا تمہیں تو بہترین مصنفہ کا ایوارڈ لینے کی بے حد خواہش تھی۔" اب کی بار حرا نے لطف اٹھانے کی خاطر پوچھا۔ "ارے چھوڑو ہمیں نہیں چاہئے کوئی ایوارڈ اور جہاں تک ایوارڈ کی بات ہے تو ایوارڈ تو فنِ مصوری میں بھی دیئے جاتے ہیں اگر میں بہترین مصنفہ کا ایوارڈ نہ لے سکی تو کیا ہوا بہترین مصورہ کا ایوارڈ مجھے ملے گا اچھا چھوڑو ان باتوں کو تم یہ بتاؤ کہ گھر کب آرہی ہو؟" صائمہ نے اس سے پوچھا۔

"فی الحال میں بہت مصروف ہوں اب انشاء اللہ ایک دو ہفتوں بعد ہی آؤں گی تمہارے اگلے ارادے کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے۔" حرا ہنستے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب؟"

دوسری جانب سے صائمہ کی خوفناک چیخ سنائی دی اور حرا نے ڈر کے مارے فون رکھ دیا جانتی تھی کہ دوسری جانب سے اسے بڑے اعلیٰ القابات سے نوازا جارہا ہوگا۔ جن کو سننے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ حرا کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی اور وہ یہ سوچتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی کہ واقعی کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ "جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں۔"

آخری الفاظ

☆ میرے عزیز دوست موت اٹل ہے، اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ (کمال اتاترک)

☆ میں نہیں جانتا کیا ہوگا، کیا ہوگا۔ (رابندر ناتھ ٹیگور)

☆ مجھے قتل کرنے سے پہلے یہ دائرہ مکمل کرنے دو۔ (ارشمیدس)

☆ میری کوکھ اجاڑ دو۔ (ایگری پینا)

☆ ایک مرتا ہوا شخص آسانی سے کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ (بنجمن فرینکلن)

☆ اب میں سوؤں گا۔ (لارڈ بائرن)

☆ اف میرے سر میں درد۔ (ایف ڈی روز ویلٹ)

☆ مجھے گانا سنادو۔ (مسز سروجنی نائیڈو)

☆ ڈاکٹر، مجھے جانے دو۔ (جارج واشنگٹن)

☆ نبض چلنا بند ہوگئی ہے۔ (ہیلے)

☆ مجھے اندھیرے میں اپنے گھر جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ (او ہنری)

☆ اب میں آخری سفر کرنے والا ہوں۔ (ہابس)

☆ الحمد اللہ (شیر شاہ سوری)

محمد زاہد سلیم آرائیں

وہی تو خدا ہے

محمد جاوید خالد

یونہی صبح کے وقت، تازہ ہوا میں
میں بیٹھا ہوا تھا چمن کی فضا میں
چمن خوبصورت تھا، منظر سہانا
پرندوں کا پیڑوں پر یوں چہچہانا
کہ جیسے کسی کے ہوں سب گیت گاتے
محبت سے نغمے اُسی کے سناتے
نظر میں پھر اک یوں پرندہ سمایا
اُڑا پیڑ سے اور فضاؤں میں آیا
نظر دیکھتی تھی اڑان اس کی ایسے
ہوں کرتب کسی شعبدہ گر کے جیسے
وہ پہلے تو بالکل ہی سیدھا اڑا تھا
ذرا دائیں بائیں نہ ہرگز مڑا تھا
زمیں سے بلند اس نے کچھ اور ہو کر
بڑی دل کشی سے یوں پھیلا لئے پر
کہ جیسے جہاز ایک چھوٹا سا آکر
کھڑا ہوگیا ہو پر اپنے جما کر
پروں کو پھر اس نے کیا نیچے اوپر
کبھی دائیں ہو کر، کبھی بائیں ہو کر

بہت ہی مہارت سے اڑتا رہا وہ
جہاں دل نے چاہا سو مڑتا رہا وہ
نہ پرواز میں اس کی تھا کوئی جھٹکا
نہ گرنے کا ڈر تھا، نہ ایندھن کا کھٹکا
میں تکتا رہا سب خوش اندازیاں بھی
بہت اس نے کھائیں قلابازیاں بھی
کبھی پَر سمیٹے، کبھی ان کو کھولے
کبھی اپنی مخصوص بولی میں بولے
پھر ایسے میں اک اس نے دیکھا پتنگا
یکایک پلٹ کر وہ کھانے کو لپکا
شکار اس نے اپنا کہ جس دم دبوچا
بہت بے خودی میں یہ تب میں نے سوچا
کوئی تو ہے جو ان فضاؤں میں یارو
کھلے آسماں کی ہواؤں میں یارو
نہیں گرنے دیتا ہے ننھا پرندہ
بلندی پہ بھی اس کو رکھتا ہے زندہ
جو رحمت سے اپنی اسے تھامتا ہے
وہی تو خدا ہے، وہی تو خدا ہے

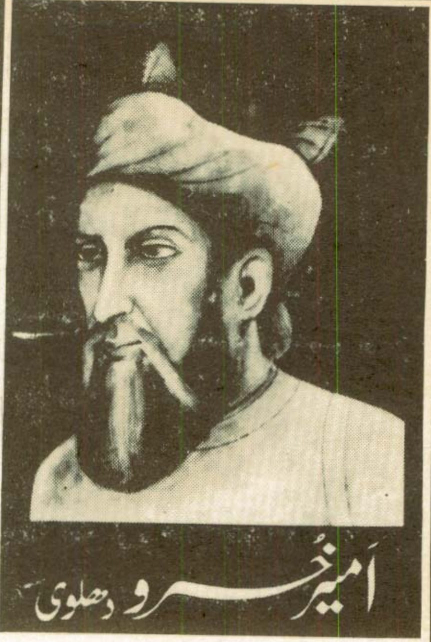

رنگا رنگ اور سدا بہار فن کار

ڈاکٹر اسلم فرخی

یہ اب سے کوئی سات سو برس پہلے کی بات ہے۔ بادشاہ بلبن کا بیٹا بغرا خان اپنے رشتے کے ایک بھائی سے ملنے گیا۔ کچھ شاعر بھی ساتھ تھے۔ محفل جم گئی۔ شعروشاعری ہونے لگی۔ شہزادے کے بھائی نے کہا "میرے یہاں ایک نوجوان شاعر ایسا ہے کہ اپنے شعر سنا کر ہر شخص پر اثر کرتا ہے۔" نوجوان کو شاعر بلایا گیا۔ اس نے شعر جو پڑھے تو شہزادے سمیت سارے سننے والے حیران رہ گئے۔ ایک تو یہ کہ شعر بہت اچھے تھے، دوسرے پڑھنے کا انداز اتنا اچھا تھا کہ سب جھومنے لگے۔ شہزادہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے ایک لگن میں روپے بھر کر شاعر کو انعام میں دے دیئے۔ اس شاعر کا نام تھا خسرو، بعد جب وہ شاہی دربار میں ملازم ہوگیا تو انہیں امیر کا عہدہ ملا اور وہ امیر خسرو کہلانے لگے۔ خسرو کو انعام تو ملا مگر شہزادے کا بھائی جس کے یہاں خسرو ملازم تھے دل ہی دل میں بڑا ناراض ہوا۔ میرے ملازم ہو کر شہزادے سے انعام کیوں لیا۔ بس جل گیا۔ خسرو کو بھی اندازہ ہوگیا۔ انہوں نے نوکری چھوڑ دی اور بادشاہی لشکر کے ساتھ بنگال چلے گئے۔

خسرو بڑے ہونہار نوجوان تھے۔ بچپن ہی سے شعر کہتے تھے اور اس طرح کہتے تھے جیسے لوگ باتیں کرتے ہیں۔ ان کے استاد، جاننے والے، بزرگ سب ان کی اس خوبی سے حیران رہ جاتے تھے۔ آواز بہت عمدہ تھی۔ شعر اس طرح پڑھتے تھے کہ جو سنتا اس پر لازمی طور سے اثر ہوتا۔ ان کے والد شاہی فوج میں سردار تھے۔ ترک تھے، خسرو بچے ہی تھے کہ وہ اللہ کو پیارے ہوگئے تو چاند والے نانا نے خسرو کی پرورش کی۔ نانا راجپوت تھے وہ بھی شاہی دربار میں عہدے دار تھے۔ جب تک نانا زندہ رہے خسرو بے فکری سے

دن گزارتے رہے۔ نانا بھی گزر گئے تو خسرو کو ملازمت کی فکر ہوئی اور وہ ایک امیر کے یہاں ملازم ہوگئے اور پھر بنگال چلے گئے۔ بنگال میں ان کا دل نہیں لگا۔ واپس آگئے مگر ان کی شاعری کی ایسی شہرت ہوگئی تھی کہ سب لوگ انہیں سر آنکھوں پر جگہ دیتے تھے۔

خسرو کی شہرت سن کر بلبن کا بڑا بیٹا محمد جو ملتان کا گورنر تھا انہیں ساتھ ملتان لے گیا۔ خسرو پانچ برس ملتان میں رہے۔ بہت خوش رہے۔ شہزادے کے دربار میں اور بھی شاعر تھے۔ شعرو شاعری کا چرچا رہتا تھا۔ اس زمانے میں شمال کی جانب سے منگول حملے کرتے رہتے تھے۔ شہزادہ بڑا بہادر سپہ سالار تھا وہ بڑی بہادری سے ان کا مقابلہ کرتا اور انہیں مار بھگاتا مگر ایک دفعہ ایسا ہوا کہ منگولوں کی فوج بھاگی لیکن بھاگتے بھاگتے پلٹ پڑی۔ شہزادہ اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کے ایک تیر ایسا لگا کہ وہیں ختم ہوگیا۔ منگولوں نے بہت سے لوگوں کو قیدی بنالیا۔ ساتھ لے چلے انہی میں خسرو بھی تھے۔ جو منگول انہیں قیدی بنا کر لے چلا وہ بہت پیاسا تھا ایک جگہ پانی جو دیکھا ڈگڈ گاکر پانی لیا۔ گرمی سخت تھی پانی پیتے ہی گر پڑا اور مرگیا خسرو قید سے آزاد ہوگئے۔ مصیبت بھرتے دلی پہنچے۔ شہزادے کی موت کا بڑا صدمہ ہوا تھا ایسا دردناک مرثیہ لکھا کہ جس نے سنا دل تھام لیا۔ شہنشاہ، بلبن بھی یہ مرثیہ سن کر رو دیا تھا۔

اب خسرو بادشاہی دربار میں ملازم ہوگئے۔ وہ آٹھ بادشاہوں کے دربار میں رہا۔ بادشاہ ان کی قدر کرتا تھا۔ بڑی عزت سے پیش آتا تھا۔ وہ بادشاہوں کے لئے کتابیں لکھتے تھے۔ کیقباد کی فرمائش پر ایک لمبی نظم "قرآن السعدین" (دومبارک ستاروں کا ملاپ) لکھی لمبی نظم جس میں کوئی قصہ یا واقعہ بیان کیا جائے مثنوی کہلاتی ہے۔ مثنوی قرآن السعدین خسرو کی بڑی مشہور مثنوی ہے۔ جلال الدین خلجی کے واقعات مثنوی مفتاح الفتوح (فتح کی کنجی) میں لکھے علاء الدین نے دکن کے بڑے علاقے کو فتح کرلیا تھا۔ خسرو نے دکن کی فتح کے واقعات نثر میں لکھے۔ خزائن الفتوح (فتح کے خزانے) اس کا نام رکھا۔ قطب الدین مبارک شاہ کے لئے مثنوی نہہ سپہر (نو آسمان) لکھی غیاث الدین تغلق کے لئے تغلق نامہ اور شہزاد خضرخاں کے لئے مثنوی خضرخاں اور دیول دیوی لکھی۔ اس طرح خسرو نے پانچ ایسی مثنویاں لکھیں جن میں شاعری کے ساتھ ساتھ تاریخ بھی ہے۔ اس عہد کے حالات، رہن سہن، درباروں کے طور طریقے، لڑائیاں، فتح غرض ان مثنویوں میں سب کچھ ہے۔ تاریخ لکھنے والے نے خسرو کی ان مثنویوں سے تاریخ لکھنے

اور اس زمانے کے واقعات کا مطالعہ کرنے میں بڑی مدد لی ہے۔ خسرو کی یہ پانچ مثنویاں ان کی تاریخی مثنویاں کہلاتی ہیں۔ تاریخی مثنویاں اس لئے کہلاتی ہیں کہ ان پانچ مثنویوں کے علاوہ ان کی پانچ مثنویاں اور بھی ہیں جنہیں خمسۂ خسروی (خسرو کی پانچ مثنویاں) کہا جاتا ہے۔

خسرو سے پہلے فارسی کے ایک شاعر گزرے تھے۔ نظامی بڑے بزرگ اور مشہور شاعر تھے۔ ان کی پانچ مثنویاں بہت مشہور ہوئیں۔ انہیں خمسۂ نظامی کہا جاتا ہے۔ خسرو کو شوق ہوا اور انہوں نے نظامی کی طرح پانچ مثنویاں لکھ ڈالیں۔ بڑی مشہور ہوئیں آج بھی فارسی جاننے والے انہیں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ یہ مثنویاں ایران اور روس سے شائع ہوئیں۔ وہاں بھی بڑے شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

خسرو شاعر نہیں تھے۔ بہتا دریا تھے انیس برس کے تھے تو پہلا دیوان کہا تھا۔ اس کے بعد چار دیوان اور مرتب کئے۔ ہر دیوان کا بڑا خوب صورت نام رکھا۔ ان میں غزلیں ہیں، قصیدے ہیں، رباعیاں ہیں، چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں، پہیلیاں ہیں ہر طرح کی شاعری ہے اور نہایت اعلیٰ درجے کی شاعری ہے۔ خسرو کا شمار فارسی کے بزرگ شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کے دیوان پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ ایران سے بھی شائع ہوئے اور خوب پڑھے جاتے ہیں خسرو کی غزلیں محفلوں میں گائی جاتی ہیں۔ سننے والے انہیں بہت پسند کرتے ہیں۔

خسرو کے زمانے میں اردو زبان اپنی ابتدائی حالت میں تھی۔ اس زمانے میں اسے زبان ہندی کہتے تھے خسرو نے اس نئی نویلی زبان میں شعر لکھے اور اسے ترقی دی۔ انہوں نے اس زبان میں غزل بھی لکھی اور گیت بھی۔ شادی بیاہ کے موقع پر ان کا ایک گیت اکثر گایا جاتا ہے۔ ساون کے گیت بھی ہیں۔ بہت سی پہیلیاں ہیں بچّے انہیں شوق سے بوجھتے ہیں۔ "امیر خسرو یوں کہیں بوجھ پہیلی موری" اور اسی طرح کی پہیلیاں ہیں جن سے امیر خسرو کا نام گھر گھر مشہور ہے۔ بچوں کو فارسی الفاظ کے معنی یاد کرانے اور سمجھانے کے لئے امیر خسرو نے نظم میں ایک چھوٹی سی لغت لکھی۔ اس کے پہلے شعر کی وجہ سے خالق باری نام ہو گیا

"خالق باری سرجن ہار
واحد ایک بڑا کرتار"

یہ نظم اب سے پہلے ہر بچے کو پڑھائی جاتی تھی۔ بچے شوق سے پڑھتے تھے فارسی لفظوں کے معنی سیکھ جاتے تھے اور کھیل ہی کھیل میں علم حاصل کر لیتے تھے۔ خسرو نے ہندوی زبان میں بھی ایک پورا دیوان لکھا تھا مگر وہ محفوظ نہیں رہا۔

اب نہیں ملتا کچھ شعر ملتے ہیں۔ انہیں کی وجہ سے خسرو کو اردو کا پہلا شاعر کہا جاتا ہے۔

خسرو بڑے شاعر بھی تھے اور بڑے نثر نگار بھی تھے۔ ان کی ایک نثری کتاب "خزاین الفتوح" اور دوسری "اعجاز خسروی" ہے "اعجاز خسروی" بڑی زبردست کتاب ہے۔ اس میں تاریخ بھی ہے اور یہ نثر لکھنے کے ڈھنگ بھی سکھاتی ہے بڑی محنت سے لکھی گئی ہے اور اس سے خسرو کی لیاقت، ذہانت، معلومات اور نثر لکھنے کے انداز کا پتہ چلتا ہے۔

خسرو رنگارنگ فن کار شاعر تھے۔ نثر نگار تھے اور موسیقار بھی تھے موسیقی کے بہت بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے ان کے بنائے ہوئے راگ اور راگنیاں آج بھی گائی جاتی ہیں۔ گانے والے ان کا نام آج بھی بڑی عزت سے لیتے ہیں۔ اور ان کی بنائی ہوئی چیزیں گاتے ہیں۔ ترانہ، تروٹ، قول، قلبانہ انہیں کی بنائی ہوئی موسیقی کی چیزیں ہیں۔ خسرو کی موسیقی ان کی شاعری میں بھی خوب جھلکتی ہے۔

خسرو کے زمانے میں ایک بڑے مشہور بزرگ تھے سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا، محبوب الٰہی۔ خسرو کو آپ سے بڑی محبت تھی۔ حضرت سلطان المشائخ بھی خسرو کو بہت چاہتے تھے۔ اتنا چاہتے تھے کہ لوگ حضرت سے جو بات کہتے ہوئے گھبراتے تھے خسرو وہ بات بے تکلفی سے کہہ دیتے تھے اور حضرت بڑی شفقت سے سن لیتے تھے۔ خسرو روزانہ شام کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اتنی اچھی گفتگو کرتے کہ حضرت خوش ہوجاتے تھے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ "میں سب سے تنگ آجاتا ہوں۔ حد یہ ہے کہ اپنے سے بھی تنگ ہوجاتا ہوں مگر خسرو سے کبھی تنگ نہیں ہوتا" حضرت بڑی محبت سے خسرو کو ترک اللہ کہا کرتے تھے۔ حضرت کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ خسرو روزانہ رات کو تہجد کے وقت قرآن مجید کے سات سیپاروں کی تلاوت کرتے تھے۔ دن بھر میں کمر سے کھڑے رہتے شام کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ راتوں کو عبادت کرتے اور اللہ سے لو لگاتے بڑے بزرگ انسان تھے۔

حضرت سلطان المشائخ جب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جا ملے تو خسرو بنگال گئے ہوئے تھے۔ خبر ملی تو روتے پیٹتے دلی واپس آئے۔ حضرت کے مزار پر گئے۔ ایک شعر پڑھا اور پچھاڑ کھا کر گر پڑے حضرت کے انتقال کے چھ مہینے بعد امیر خسرو بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ان کا مزار بھی حضرت سلطان المشائخ کے مزار کے پاس بنا۔ آج تک یہ دستور ہے کہ جو کوئی بھی حضرت سلطان المشائخ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جاتا ہے وہ پہلے امیر خسرو

کے مزار پر جا کر فاتحہ پڑھتا ہے اور پھر حضرت سلطان المشائخ کے یہاں جاتا ہے۔

امیر خسرو بہت بڑے انسان تھے۔ رنگارنگ انسان تھے اس ایک انسان میں نہ جانے کتنے انسان بولتے سنائی دیتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے۔ فارسی کے شاعر، فارسی کے نثر نگار ہندوی کے شاعر، تاریخ بنانے اور تاریخ لکھنے والے موسیقی کے ماہر، دربار دار، عام لوگوں کے دلوں کے ترجمان، بہت بڑے صوفی بزرگ، جتنے شعر انہوں نے لکھے ہیں اتنے کسی اور شاعر نے نہیں لکھے اور پھر رنگارنگی ایسی کہ بچوں میں بچے، جوانوں میں جوان، بوڑھوں میں بوڑھے، ہر رنگ میں رنگے ہوئے سدا بہار بزرگ ایسے سدا بہار صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

کیا آپ ناراض ہیں؟

اگر آپ

- اس لئے ناراض ہیں کہ آپکی بھیجی ہوئی تحریر شائع نہیں ہوئی تو ذرا سوچیئے کہ ایسا کیوں ہوا؟
- کیا آپ کی تحریر نقل شدہ تھی۔؟
- پہلے شائع ہو چکی تھی؟
- صفحے کے دونوں طرف اور لائن چھوڑے بغیر لکھی گئی تھی۔
- پنسل سے یا اتنے مشکل رسم الخط میں لکھی گئی تھی کہ پڑھی نہیں جا رہی تھی؟
- چھوٹے پرزوں پر لکھی گئی تھی؟
- ایک ہی صفحے پر بہت سی تحریریں لکھی گئی تھیں؟
- آپ کی تحریر کا انداز بیان، خیال اور اسلوب بچوں کی نفسیات سے ہٹ کر تھا؟
- آپ کی تحریر مشکل اور گنجلک تھی؟
- آپ کی تحریر میں مقصدیت کا فقدان تھا۔؟
- تو پھر سوچیئے کہ آپ کی تحریر کیونکر شائع ہو سکتی تھی۔
- اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر شائع ہو تو اوپر بیان کی گئی تمام باتوں سے بچیں۔
- یاد رکھیے! بڑا ادیب بننے کے لئے مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔

(ادارہ)

FIRST-AID BANDAGE

SANIPLAST®

چھوٹا زخم فوری آرام

SANIPLAST

سنی پلاسٹ اب گول شکل میں بھی
دستیاب ہے

SANIPLAST-SPOT

پیارے بچّو! آپکو اسکول کے اوقات، کھیل کود اور دیگر مشاغل میں عموماً خراش، چھالے، چھوٹے زخم لگ جاتے ہیں۔ فوری امدادی پٹی سنی پلاسٹ استعمال کریں.... ہمیشہ سنی پلاسٹ کو اپنے اسکول بیگ، اسپورٹس کِٹ، کتابوں کی الماری یا جیب میں دو ایک پٹیاں رکھیں تاکہ فوری ضرورت پر آپ SANIPLAST فوری امدادی پٹی استعمال کر سکیں۔

سنی پلاسٹ کا پیغام
صاف ستھرا ماحول صحت مند معاشرہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے

Marketed by:
uniferoz

UF/SP/MP/A/95 NATIONAL

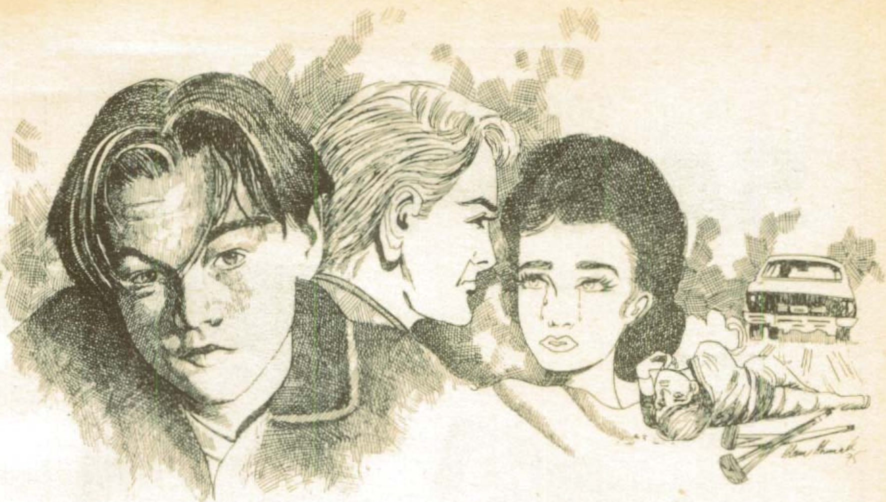

انعام

عثمان بن سلیم

دوپہر کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ ارشد صاحب نے فائل بند کر کے ایک طرف رکھی اور اٹھنے لگے۔ انہیں بڑی شدت سے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ابھی دروازے تک ہی پہنچے ہوں گے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انہوں نے پلٹ کر فون کو گھورا، "فون اٹھاؤں یا نہ اٹھاؤں۔" انہوں نے ایک لمحے کو سوچا پھر فون کے پاس آئے اور ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف ان کا ملازم اکرم تھا۔ "کیا بات ہے؟" انہوں نے تیز آواز میں پوچھا۔ "وہ .....وہ صاحب عدیل میاں دوسری منزل سے نیچے گر گئے ہیں۔ سر میں چوٹ آئی ہے۔" نوکر نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا کہا؟" انہوں نے تیز آواز میں کہا اور اکرم نے پھر وہی جملہ دہرایا۔

"اکرم! تم لوگ اسے ڈاکٹر طارق کے ہسپتال لے کر پہنچو میں وہیں آرہا ہوں۔"

"صاحب! بیگم صاحبہ عدیل میاں کو وہیں لے جارہی ہیں۔" اکرم نے بتایا۔

"ٹھیک ہے میں وہیں پہنچ رہا ہوں۔" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

ارشد صاحب فون سننے کے بعد پریشان ہو گئے تھے۔ عدیل ان کی اکلوتی اولاد تھا۔ اس کی پیدائش پر دونوں میاں بیوی بہت خوش تھے۔ پیدائش سے لے کر اب تک یعنی دس برس تک انہوں نے اسے بڑے نازو نعم سے پالا تھا۔ اس کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا' اس کی ہر چھوٹی بڑی خواہش فوراً پوری کی جاتی تھی۔

عدیل خود بھی ایک فرماں بردار لڑکا تھا۔ بے جا ضد کرنا اس کی عادت میں شامل نہ تھا۔ اس میں دونوں میاں بیوی کی تربیت کا کمال تھا۔

ارشد صاحب ان ہی سوچوں میں گم جلدی سے گاڑی میں آکر بیٹھے۔ اگلے ہی لمحے ان کی گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ ڈاکٹر طارق کا ہسپتال بس نزدیک ہی تھا کہ اچانک سامنے سے ایک لڑکا سڑک کی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ بیساکھی کے سہارے آہستہ آہستہ سڑک پار کر رہا تھا۔ ارشد صاحب لڑکے کو اس قدر نزدیک دیکھ کر بوکھلا گئے۔ گاڑی کی رفتار خطرناک حد تک زیادہ تھی۔ اصولاً انہیں یہاں گاڑی کی رفتار ہلکی رکھنی چاہئے تھی کیونکہ یہاں زیبرا کراسنگ تھی لیکن انہیں اس بات کا ہوش کب تھا۔ انہوں نے بریک لگائے لیکن گاڑی کی رفتار تیز ہونے کے باعث لڑکا گاڑی کی زد میں آگیا اور اچھل کر دور جاگرا۔ "اُف میرے خدا یہ کیا ہوا؟" ان کے منہ سے نکلا۔ مجھے تو جلد از جلد ہسپتال پہنچنا ہے۔ یہ کیا مصیبت آکھڑی ہوئی۔ جس لڑکے کی گاڑی سے ٹکر ہوئی تھی وہ کچھ فاصلے پر پڑا ہوا تھا' اور اس کا جسم ساکت تھا۔ سڑک پر خون بھی پھیلا ہوا تھا۔

ارشد صاحب نے گھبرا کر گاڑی بیک کی اسی لمحے ملی جلی شور کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ انہوں نے کسی کی طرف توجہ دیئے بغیر گاڑی آگے بڑھادی۔

ارشد صاحب کے ذہن میں مختلف خیالات سر اُبھار رہے تھے۔ "تم کتنے سنگ دل ہو کہ اپنے بچّے کی خاطر ایک معصوم کی زندگی خطرے میں ڈال دی۔" ان کے اندر سے کسی انہیں پکارا۔ "مگر میرے بیٹے کی زندگی خطرے میں ہے مجھے جلد از جلد ہسپتال پہنچنا ہے۔" ارشد صاحب زیر لب بڑبڑائے۔ "تو کیا اس معصوم کی زندگی خطرے میں نہیں جو تمہاری لاپرواہی اور غفلت کی بھینٹ چڑھ گیا۔ پھر تمہارے بچّے کو تو تمہاری بیوی ہسپتال لے گئی ہے لیکن وہ بے چارہ سڑک پر بے یارومددگار پڑا ہے۔" ان کے اندر سے کسی نے کہا اور بے اختیار ان کا پاؤں بریک پر دباؤ ڈالنے لگا۔

انہوں نے تیزی سے گاڑی واپس موڑی۔ اور چند ہی لمحوں بعد وہ دوبارہ اس جگہ پہنچ گئے۔

سڑک پر بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ گاڑی سے اُتر کر وہ تیزی سے ہجوم کی طرف بڑھے سب لوگ اپنے اپنے طور پر قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔

"اسے جلدی سے میری گاڑی میں ڈالئے۔ خون بہت بہہ گیا ہے۔"

انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا لیکن کسی نے بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔

مجبوراً انہوں نے خود ہی لڑکے کو اُٹھایا اور کندھے پر ڈال کر اسے لا کر گاڑی کی پچھلی نشست پر لٹا دیا۔" کسی نے اس کی بیساکھیاں اٹھا کر ارشد صاحب کو لا کر دیں

ارشد صاحب ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھے اور گاڑی آگے بڑھادی۔ چند ہی لمحوں بعد وہ ڈاکٹر طارق کے ہسپتال پہنچ گئے۔

وہ پچھلی سیٹ سے لڑکے کو اٹھا کر سیدھے ایمرجنسی میں لے گئے۔ وہاں ان کی بیگم موجود تھیں۔ ارشد صاحب نے لڑکے کو بیڈ پر لٹا دیا اور ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر کو اس طرف متوجہ کیا۔ لڑکے کو ڈاکٹر کے حوالے کر کے وہ اپنی بیگم کے پاس آئے۔ "عدیل کہاں ہے؟" انہوں نے بے صبری سے پوچھا۔

"آپریشن تھیٹر میں اِس کے سر پر بہت شدید چوٹ لگی ہے۔ بیگم نے گھُٹی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ اپنے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"بیگم! تسلّی رکھو۔ اللہ بہتر کرے گا۔" انہوں نے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ ابھی کِسے لے کر آئے تھے۔" اچانک ان کی بیگم چونک کر بولیں۔

ارشد صاحب نے گہرا سانس لیا اور پھر انہوں نے پوری بات بتا ڈالی۔ بیگم ارشد ان کی باتیں سُن رہی تھیں اور ان کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔

چند لمحوں بعد ڈاکٹر طارق آپریشن روم سے باہر نکلتے دکھائی دیئے۔ بیگم ارشد اور ارشد صاحب تیزی سے ان کی طرف لپکے۔ "ارشد صاحب مُبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیٹے کو نئی زندگی عطا کی ہے۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" دونوں کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

ڈاکٹر طارق بولے : "ارشد صاحب ہمیں اندیشہ تھا کہ اس حادثے میں آپ کے بیٹے کی بینائی چلی جائے گی۔ کیونکہ اس کے سر پر شدید چوٹ لگی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس بات پر ہم ڈاکٹر سخت حیران ہیں۔" یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر طارق آگے بڑھ گئے۔ اور ارشد صاحب کو ایسا لگا جیسے انہیں اللہ تعالیٰ نے انعام دیا ہو ۔ اس فرض کا جو کچھ دیر پہلے انہوں نے ادا کیا تھا۔

جدید آلاتِ حرب

ش۔م۔خالد

پیٹرائٹ میزائل

PATRIOT SYSTEM

اسس میزائل کا نام آپ نے خلیج کی جنگ کے دوران سُنا ہوگا۔ پیٹرائٹ ایک پورے سسٹم کا نام ہے۔ یہ سسٹم جدید کمپیوٹر ریڈار سے لیس ہے اس سسٹم کے ذریعہ میزائل اس وقت چلایا جاتا ہے جب مخالف میزائل یا طیارہ ملک کی حدود میں داخل ہوتا ہے اس طیارہ یا میزائل کو پیٹرائٹ میزائل تباہ کردیتا ہے۔ اس سسٹم کی قیمت ۱۲۳ ملین ڈالر ہے۔

ریڈار کو دھوکہ دینے والا آلہ

ELECTRONIC JAMMING

یہ ایک انتہائی جدید آلہ ہے جو کہ نیوی اور ایئر فورس کے طیاروں میں نصب کیا جاتا ہے۔ یہ آلہ ریڈار کو دھوکہ دینے کے لیے کام آتا ہے اِس آلہ کے استعمال سے ایک طیارہ ریڈار کی اسکرین پر کئی سمتوں میں نمودار ہو جاتا ہے۔ اس آلہ کی قیمت ۳۲ ملین ڈالر ہے۔

اسٹیلتھ فائٹر

STEALTH FIGHTER

یہ ایک انتہائی جدید لڑاکا طیارہ ہے۔ یہ طیارہ طویل فاصلے تک پرواز کرکے دشمنوں کے ٹھکانوں پر حملہ کرسکتا ہے۔ یہ ریڈار پر ظاہر بھی نہیں ہوتا اور جدید کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے باعث اپنے ہدف کا صحیح نشانہ لیتا ہے۔ اس طیارہ کی قیمت ۱۰۶ ملین ڈالر ہے۔

کروز میزائل

CRUISE MISSILES

یہ ایک لمبی رینج رکھنے والا میزائل ہے اسس کو بحری جہاز اور آبدوزوں پر نصب کیا جاتا ہے اس کی رینج ۲۵۰۰ کلومیٹر ہے یہ ریڈار پر نظر آسکتا ہے لیکن یہ اس انداز میں چلایا جاتا ہے کہ ریڈار کی لہروں کے نیچے کی سطح سے گزر کر اپنے ہدف کو تباہ کرتا ہے۔

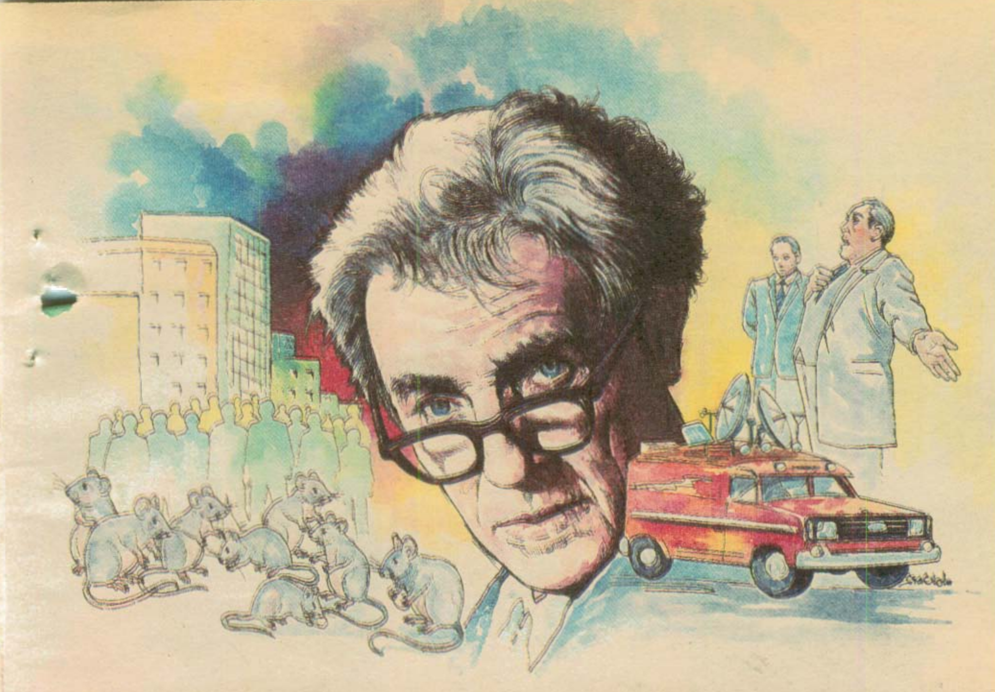

مقناطیسی لہریں

محمد عادل منہاج

پورا شہر ہی مصیبت کا شکار تھا۔ اچانک ہی یہ افتاد ٹوٹ پڑی تھی۔ ہر شخص اس مصیبت سے نجات پانے کی اپنی سی تدبیر کر رہا تھا مگر بے سود۔ پریشانی میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ اور پھر یہ شہر تو تھا بھی ملک کا دارالحکومت جہاں سب اہم ترین لوگ رہتے تھے۔ حکومتی ارکان کے علاوہ صدر صاحب کی بھی ایک بہت بڑی کوٹھی بلکہ محل یہیں تھا۔ ظاہر ہے جہاں اتنے معزز اور بڑے لوگ رہتے ہوں وہاں تو چھوٹی سی پریشانی بھی بڑی دکھائی دیتی ہے۔ عوام پر پڑنے والی بڑی بڑی مصیبتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں مگر خواص کی رائی برابر پریشانی دور کرنے کے لئے سارا زور لگا دیا جاتا ہے۔ مگر اب تو خواص بھی واقعی پریشان ہو چکے تھے۔

چند ہفتے پہلے تک وہ سب سکون کی زندگی گزار رہے تھے اور عوام کو بے سکون کر رکھا تھا

کہ اچانک خود بے سکونی کا شکار ہو گئے۔ اور اس کا سبب تھا۔ چوہے!!! جی ہاں اچانک ہی شہر میں چوہوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ پہلے تو لوگوں نے اسے اتفاق سمجھا اور چوہے مار دوائیں استعمال کیں مگر چوہوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا گیا اور پھر تو ہر طرف چوہے ہی چوہے نظر آنے لگے دارالحکومت چوہوں کا شہر بن گیا۔ چوہے ہر طرف دندناتے پھرتے اور کھانے پینے کی ہر چیز کا صفایا کر دیتے۔

گھروں میں کھانا تیار کر کے میزوں پر سجایا جاتا مگر اس سے پہلے کہ گھر والے کھانے کے لئے بیٹھتے ہر کونے سے چوہے بر آمد ہوتے اور کھانے پر ہلہ بول دیتے۔ حکومت سخت پریشان تھی کہ چوہوں سے کس طرح نجات حاصل کرے۔ محکمہ صحت نے ہر طرح کی دوائیں استعمال کر کے دیکھ لیں مگر لگتا تھا کہ دواؤں کا الٹا اثر ہو رہا ہے۔ لوگ اب تو دارالحکومت چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اور حکومت کو خوب برا بھلا کہہ رہے تھے کہ وہ چوہوں تک کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تو اسے حکومت کرنے کا کیا حق ہے؟ اور حکومت اسے دشمن کی سازش قرار دیتے ہوئے روز اعلان کرتی کہ چوہوں کے خلاف آہنی ہاتھ استعمال کیا جائے گا مگر اس آہنی ہاتھ کو ایک طویل عرصے سے استعمال نہ کرنے کے باعث زنگ لگ چکا تھا۔

--- ○ --- ○ ---

پروفیسر بشیر اپنی تجربہ گاہ میں بیٹھے خوردبین پر جھکے ہوئے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ خوردبین سے سر اٹھاتے اور کاغذ پر کچھ نوٹ کرتے۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور ان کا نائب خرم اندر داخل ہوا۔

"سر زمان صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"کون؟ وہ منسٹر۔!" پروفیسر بشیر چونکے۔

"یس سر۔" خرم نے جواب دیا۔

"اسے مجھ سے ملنے کا خیال کیسے آگیا؟" پروفیسر نے تلخ انداز میں کہا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں سر۔" خرم نے کندھے اچکائے۔

"تم چلو میں آتا ہوں۔" پروفیسر بولے ان کا منہ بن گیا تھا۔ انہوں نے کاغذات اٹھا کر دراز میں رکھے اور تجربہ گاہ سے باہر نکلے۔

ڈرائینگ روم میں بیٹھا منسٹر انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہیے زمان صاحب۔ آپ اپنا قیمتی وقت برباد کرنے ادھر کیسے آگئے؟" پروفیسر طنزیہ لہجے میں بولے۔

"آپ تو مجھے شرمندہ کر رہے ہیں جناب۔" زمان

نظریں چُراتا ہوا بولا۔
"جی نہیں میں ایسے کام نہیں کرتا جن کا کوئی فائدہ نہ ہو۔"
"وہ -- دراصل -- مجھے صدر صاحب نے ایک خوشخبری کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا ہے۔" زمان نے جلدی سے کہا۔
"صدر صاحب -- خوشخبری --- کیوں عجیب و غریب باتیں کر رہے ہیں۔ جو کہنا ہے صاف صاف کہیے میرا وقت بھی بہت قیمتی ہے۔" پروفیسر منہ بنا کر بولے۔
"بب -- بات دراصل یہ ہے کہ آپ نے ملک میں سائنس کے فروغ کے لئے جو سفارشات کی تھیں صدر صاحب نے وہ سب قبول کر لی ہیں۔ اور ہاں جس جگہ آپ نے ایک قومی تجربہ گاہ بنانے کی بات کی تھی۔ وہ زمین بھی آپ کو الاٹ کر دی گئی ہے۔ اب وہاں ایک عظیم الشان تجربہ گاہ بنائی جائے گی تاکہ ہمارا ملک بھی سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کر سکے۔" زمان نے کہا۔
"بہت خوب --- آپ نے واقعی مجھے حیران کر دیا۔ میں کئی سالوں سے چلّا رہا ہوں کہ حکومت ملک میں تعلیم اور سائنس کے فروغ کے لئے کچھ نہیں کر رہی۔ بجٹ میں سب سے کم حصہ تعلیم کا ہے۔ اور جو سفارشات میں نے دی تھیں۔ ان پر تو غور ہی مکمل نہیں ہو پا رہا تھا۔ تین سال سے وہ فائل ایک جگہ سے دوسری جگہ چکر کھا رہی ہے۔ اب اچانک آپ لوگ ملک کے اتنے ہمدرد کیسے ہو گئے؟"
"لگ - - - - - کیسی باتیں کر رہے ہیں جناب ---ہم تو سنجیدگی سے آپ کی سفارشات پر غور کر رہے تھے-------"
"جی ہاں۔ اسی لئے وہ زمین جس پر تجربہ گاہ بنائے جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا، رزاق خان کو فروخت کر دی گئی جہاں اب وہ ایک پلازہ بنوا رہا ہے۔" پروفیسر تلخ انداز میں بولے۔
"وہ زمین اس نے ناجائز طریقے سے قبضہ کر لی تھی اب وہ اس سے لے لی گئی ہے۔"
"مگر اچانک یہ مجھ ناچیز پر اتنی مہربانی کیوں ---- کوئی تو وجہ ہو گی؟"
"جج ----جی -- وہ --- ہم چاہتے ہیں کہ آپ بس کسی طرح ہمیں ----ان ----ان چوہوں سے نجات دلا دیں۔" زمان ہچکچا کر بولا۔
"کیا!!!" پروفیسر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔
"جی ہاں ہم نے سنا تھا کہ آپ نے چوہوں سے نجات کا کوئی طریقہ نکالا ہے اور میں دیکھ چکا ہوں کہ آپ کے پورے گھر میں ایک بھی چوہا نہیں ہے۔"
"ہاں -- میں نے اپنے گھر کے چاروں طرف نظر نہ آنے والی ایسی لہروں کا جال بچھا دیا ہے جن کو

چوہے کراس نہیں کر سکتے۔"

"اوہ تو پھر آپ ایسی لہریں پورے دارالحکومت کے گرد پھیلا دیں۔" وہ پُرجوش انداز میں بولا۔

"مگر آخر کب تک یہ لہریں قائم رکھی جائیں گی اور پھر اس طرح چوہے یہاں سے نکل کر دوسرے شہروں میں چلے جائیں گے اور وہاں بھی انسان ہی بستے ہیں۔ لہٰذا ان کا تو کوئی مستقل علاج ہونا چاہئے۔" پروفیسر بولے۔

"تت۔۔۔تو آپ کوئی طریقہ نکالیں نا۔" زمان بے چینی سے بولا۔

"ہاں۔ نکال سکتا ہوں طریقہ بھی مگر مجھے آپ لوگوں پر اعتبار نہیں۔ لہٰذا آپ نے ابھی جن مہربانیوں کی تفصیل مجھے سنائی ہے ان کے بارے میں تحریری معاہدہ کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔۔ ہمیں منظور ہے۔"

--- ○ --- ○ ---

"ہیلو۔۔۔ زمان صاحب۔ مبارک ہو۔ میں نے ایسی لہریں ایجاد کرلی ہیں جو چوہوں کے دماغ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اب ان لہروں کے ذریعے میں چوہوں کے دماغ قابو میں کرلوں گا اور پھر آپ دیکھئے گا کیسا تماشہ ہوتا ہے۔" پروفیسر نے فون کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔۔ تو کیا اب ہمیں منحوس چوہوں سے نجات مل جائے گی؟" وہ خوش ہو کر بولا۔

"ہاں۔ کل صبح دیکھئے گا کیا ہوتا ہے۔ بس کل کے بعد چوہے ختم۔" پروفیسر بولے۔

"یہ تو آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا پروفیسر صاحب۔ اور ہاں آپ کو مبارک ہو پرسوں شہر سے باہر کی زمین پر تجربہ گاہ کا سنگ بنیاد رکھ دیا جائے گا۔"

"ہوں۔۔۔ بہت شکریہ۔"

یہ خبر فوراً ہی پورے شہر میں پھیل گئی۔ لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ رات انہوں نے بڑی مشکل سے کاٹی بلکہ چوہوں نے سونے ہی کب دیا۔ وہ لحافوں میں منہ اور سر لپیٹ کر لیٹتے تو لحافوں کے اوپر چوہے ڈانس کرنے لگتے۔

صبح صبح سب لوگ اپنے گھر کی چھتوں پر کھڑے تھے کہ دیکھیں پروفیسر کیا کرتے ہیں۔ صبح سات بجے پروفیسر کے گھر سے ایک لمبی سی گاڑی نکلی جس کی چھت پر ڈش نما ایک اینٹینا لگا ہوا تھا۔ بقول پروفیسر کے اس اینٹینے سے وہ لہریں نکل رہی تھیں جو چوہوں کے دماغ پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔۔۔۔ اور پھر لوگوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ گاڑی سڑک پر آہستہ آہستہ چلتی جا رہی تھی اور ہر طرف سے چوہے نکل نکل کر گاڑی کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ سڑک پر چوہوں کا ایک جلوس سا دکھائی دے رہا تھا۔ ہر گھر سے چوہے باہر نکل رہے تھے اور دیوانہ وار پروفیسر کی

گاڑی کی جانب، دوڑ رہے تھے۔ جلد ہی سارے شہر کے چوہے اس گاڑی کے پیچھے تھے۔ اب گاڑی اسپیڈ پکڑ چکی تھی اور چوہے اندھادھند اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ پھر گاڑی شہر سے باہر نکل گئی اور چلتے چلتے دریا کے پاس پہنچ گئی۔ دریا کے کنارے پہنچ کر گاڑی رک گئی۔ اس پر لگے اینٹینے کا رخ بدلا اور سارے چوہے دریا میں چھلانگیں لگا لگا کر ڈوبنے لگے۔ ہر چوہے کی خواہش تھی کہ پہلے وہ دریا میں ڈوبے وہ سب ایک دوسرے کو دھکیلتے، گرتے پڑتے آگے بڑھتے اور دریا میں ڈوب جاتے۔ جلد ہی سارے چوہے دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے اور وہاں بس وہ گاڑی کھڑی رہ گئی۔ اب نہ شہر میں کوئی چوہا تھا نہ چوہا زاد۔

--- ○ --- ○ ---

"ہیلو۔۔۔زمان صاحب۔۔۔۔۔ آج تو تجربہ گاہ کا سنگ بنیاد رکھا جانا تھا۔ پھر کیا ہوا؟" پروفیسر نے فون کر کے پوچھا۔

"بس کیا بتاؤں جناب۔۔وہ کمبخت رزاق خان نے اس پر پھر قبضہ کر لیا ہے۔" زمان بولا۔

"کیا!!! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔" پروفیسر نے چونک کر کہا۔

"ہاں جناب۔۔۔۔۔وہ بہت گھٹیا انسان ہے اور پھر بڑے بڑے لوگوں سے اس کی رشتہ داری ہے میرا خیال ہے اس زمین کا خیال تو ذہن سے نکال ہی دیں۔" زمان خان بدلی ہوئی آواز میں بولا۔

"اوہ۔۔۔۔تو آپ لوگ پھر وعدے سے پھر رہے ہیں مگر یاد رکھیں کہ آپ کے اور میرے درمیان تحریری معاہدہ۔۔۔۔۔۔"

"چھوڑیں پروفیسر صاحب۔۔۔کاغذی معاہدوں کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔ آپ کیوں خوامخواہ اس قوم کے غم میں مبتلا رہتے ہیں بس اپنی تجربہ گاہ میں لگے رہا کریں۔"

پروفیسر نے غصے میں فون بند کر دیا۔

"لالچی۔۔۔ دغاباز۔۔۔ جھوٹے۔ میں اس بار تم لوگوں کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ آئندہ کسی کو اس طرح دھوکے بازی کی جرأت نہ ہوگی مگر پہلے میں ایک ایک کو آزماؤں گا۔ شاید ان میں کوئی بہتر بھی ہو۔" پروفیسر بولے۔ پھر انہوں نے باری باری سب افسروں، اہلکاروں اور دوسرے حکومتی ارکان سے ملاقاتیں کیں۔ ان سے اپیلیں کیں۔ انہیں ان کے وعدے یاد دلائے مگر کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ وہ سب تو اپنی تجوریاں بھرنے میں لگے ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ قبل اپنے اوپر پڑنے والے عذاب کو وہ یکسر فراموش کر چکے تھے مگر اب جو عذاب ان پر پڑنے والا تھا اس کے بعد واپسی کی کوئی راہ نہ تھی۔

پروفیسر ایک ایک کر کے سب سے مایوس

ہوگئے اور اب وہ ایک بالکل ہی نئی قسم کی لہریں بنانے میں مصروف تھے۔

اس صبح چلتے چلتے کچھ لوگ چونک اٹھے۔ پروفیسر کے گھر سے پھر وہی گاڑی نکل رہی تھی۔ جس کے پیچھے ایک روز چوہوں کا جلوس تھا مگر اب تو چوہے ہلاک ہو چکے تھے۔ اب یہ گاڑی کیوں نکلی تھی۔ آج اس کی چھت پر ایک نئے قسم کا اینٹینا لگا تھا۔ پھر گاڑی سڑک پر رینگنے لگی۔

زمان اپنے گھر بیٹھا ناشتے میں مصروف تھا کہ اچانک اس کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے اسے یوں لگا کہ کوئی اسے گھر سے نکلنے پر مجبور کر رہا تھا۔ پھر اس سے بیٹھا نہ گیا اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا وہ ناشتہ چھوڑ کر دیوانہ وار گھر سے نکلا اور سرپٹ دوڑنے لگا۔ جلد ہی وہ اس گاڑی تک پہنچ گیا اور پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔ اس دوران کچھ اور لوگ بھی اسی طرح دوڑتے ہوئے آئے اور گاڑی کے پیچھے لگ گئے۔ باقی لوگ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"کہیں معصوم لوگ بھی اس کی زد میں نہ آجائیں۔" خرم گاڑی چلاتا ہوا بولا۔

"نہیں یہ لہریں صرف کرپٹ، لالچی اور بددیانت لوگوں کے دماغ پر اثر انداز ہوتی ہیں میں نے بڑی محنت کی ہے ان پر۔ بس تم اب تماشہ دیکھو۔" پروفیسر بولے جو گاڑی کے پچھلے حصے میں تھے جو اچھی خاصی تجربہ گاہ لگ رہی تھی۔

بے شمار گھروں، بنگلوں، کوٹھیوں سے لوگ نکلتے اور گاڑی کے پیچھے دوڑنے لگتے اور پھر لوگوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ صدر صاحب بھی دوڑے چلے آرہے تھے اور وہ دوڑتے ہوئے سب سے آگے نکل گئے آخر صدر جو تھے۔ یہاں بھی آگے رہنا پسند کرتے۔

اب تو ایک جلوس گاڑی کے پیچھے تھا مگر یہ کسی جلسے میں شرکت کرنے نہیں بلکہ اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جلد ہی گاڑی ایک بار پھر دریا کے قریب پہنچ کر رک گئی اور پھر.........اینٹینے کا رخ تبدیل ہوا اور سب لوگ دریا میں چھلانگیں لگانے لگے۔ لگتا تھا کہ ان میں چھلانگیں لگانے کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ ہر شخص پہلے چھلانگ لگانا چاہ رہا تھا۔ پھر ایک ایک کر کے سب دریا بُرد ہوگئے۔ سارا شہر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اب وہاں بس چند لوگ ہی بچے تھے کیونکہ سارے کرپٹ، بے ایمان اور بددیانت لوگ اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔

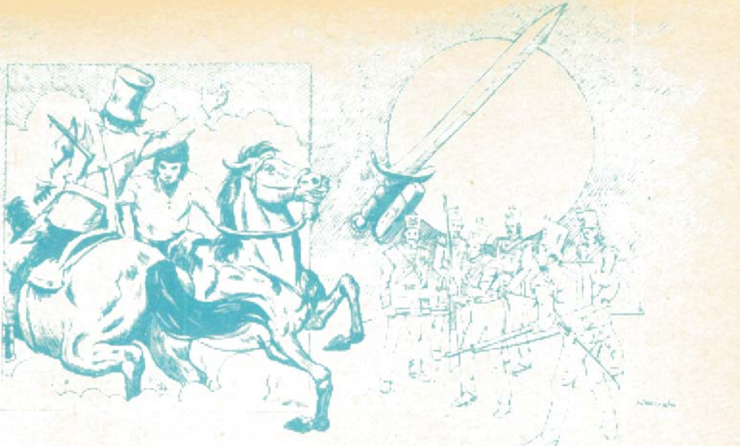

بنگال کا عظیم مجاہدِ آزادی

عنبرین فاطمہ چوہان

اس نے لاٹھیوں سے ہندوؤں اور انگریزوں کے ظلم کا مقابلہ کیا

پچھلی صدی کا ذکر ہے ایک نوجوان اپنی پہلوانی اور ڈنڈے بازی کے لئے پورے بنگال میں مشہور تھا۔ جب زمینداروں کو کسانوں سے مال گزاری وصول کرنی ہوتی یا لگان نہ دینے کی صورت میں ان پر حملہ کرانا ہوتا تو اسی نوجوان کی خدمات حاصل کی جاتیں۔

یہ شخص بارہ ست ضلع کے ایک گاؤں نوبل باڑیہ کا رہنے والا تھا۔ اس کے والد ایک خوشحال کاشت کار تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا کھیتی باڑی میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ لیکن ان کا بیٹا گھر سے بھاگ کر کلکتہ پہنچ گیا۔

یہ نوجوان جن دنوں ندیا کے ایک ہندو زمیندار کے ہاں ملازم تھا اور کسانوں نے مالیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے زمیندار کی ہدایت پر ان کسانوں کو بہت مارا پیٹا۔ ان لوگوں نے تھانے میں رپورٹ درج کرا دی۔ پولیس نے حملے کے الزام

میں اس نوجوان کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا۔

جب نوجوان جیل سے رہا ہو کر آیا تو ہندو زمیندار کی ملازمت سے اس کا دل اچاٹ ہو چکا تھا۔ وہ روزی کی تلاش میں دہلی چلا گیا۔ وہاں شاہی خاندان کے ایک مال دار شخص کے گھر اسے ملازمت مل گئی۔ اتفاق سے کچھ ہی دنوں بعد مالک حج کو جانے لگا تو اس نے نوجوان کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔

مکے میں قیام کے دوران اس نوجوان کی ملاقات آزادی کے نامور مجاہد سید احمد شہید بریلوی سے ہوئی۔ ان کی باتوں نے اس پر بڑا اثر کیا اور وہ ان کا مرید ہو گیا۔ اب اس کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو چکا تھا۔

چنانچہ وہ نوجوان جب ہندوستان واپس آیا تو اس کی زندگی بالکل بدل چکی تھی۔ وہ ایک متقی اور پرہیزگار انسان بن گیا تھا۔ اس کا سارا وقت عبادت و ریاضت میں گزرنے لگا تھا۔ اس نے نرکل باڑیہ کے قریب ایک گاؤں حیدر پور میں رہائش اختیار کر لی۔

یہ نوجوان لٹھ باز جو سید احمد شہید کی صحبت میں رہ کر ایک دینی عالم اور مصلح بن گیا، بنگال میں آزادی کے ایک اہم مجاہد میر نثار علی تھے، جنہیں تیتو میر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

تیتو میر..... سید احمد شہید کے ایک مخلص اور سچے مرید تھے اور ان کے نقش قدم پر چل کر بنگال میں دین کی تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے جب حالات کا جائزہ لیا تو بہت مایوسی ہوئی۔ بنگالی مسلمان ہندو زمینداروں کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان کی اقتصادی حالت تباہ تھی۔ بلکہ غربت کی وجہ سے انہوں نے اپنا مذہبی رسم و رواج بھی بھلا دیا تھا اور ہندوؤں ہی کے رسم و رواج پر چل رہے تھے۔ وہ ہندوانہ طرز کے کپڑے پہنتے اور ہندوؤں کے تہواروں میں شریک ہوتے۔ اسلام اور کفر میں پہچان کرنے کی صلاحیت ان میں نہیں رہی تھی۔

چنانچہ تیتو میر نے جب محسوس کیا کہ بنگالی مسلمان ہندوؤں کے غلام بن چکے ہیں۔ وہ ان کے کھیتوں میں کام کرتے ہیں، ان کے گھروں کی چوکیداری کرتے ہیں اور ان کے یہاں بیگار میں پکڑے جاتے ہیں اور اس محنت و مشقت کے عوض انہیں پیٹ بھر کھانا بھی نہیں ملتا۔ ان کی حالت روز بروز بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ تو انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے اثر سے نکالا جائے اور ان کی اصلاح کی جائے۔

تیتو میر نے اصلاح کا کام حیدر پور سے شروع کیا۔ انہوں نے گاؤں والوں کو جمع کیا اور انہیں بتایا کہ اسلام کیا ہے؟ اس کی تعلیم پر کس طرح عمل کیا جائے؟ غیر اسلامی کاموں سے کیونکر دور رہا جائے؟ حیدر پور کے مسلمانوں پر تیتو میر کی باتوں کا اچھا اثر پڑا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تحریک

پورے گاؤں میں پھیلتی چلی گئی۔ مسلمان کاشتکار ان کی سیدھی سادھی تعلیم کی بدولت ہندوانہ رسم و رواج کو ترک کر کے نماز روزے کے پابند ہو گئے۔

ہندو زمینداروں نے جب دیکھا کہ ان کے یہاں کام کرنے والے مسلمان کسان تیتو میر کے معتقد ہوتے جارہے ہیں اور ان میں روز بروز جرآت پیدا ہو رہی ہے تو وہ اس تحریک کی سخت مخالفت کرنے لگے۔ انہیں یہ خوف محسوس ہونے لگا کہ کہیں یہ کسان ان سے بغاوت نہ کر بیٹھیں۔

انہی ہندو زمینداروں میں ایک کشن رائے بھی تھا۔ یہ 'پورنا' نامی ایک بہت بڑی بستی کا مالک تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے بہت سے چھوٹے چھوٹے گاؤں اس کی ملکیت میں تھے۔ کشن رائے کے زیادہ تر کسان مسلمان تھے۔ تیتو میر نے ان مسلمان کسانوں کو دین کی باتیں سکھائیں۔ ان کے لئے 'پورنا' میں جمعے کی نماز پڑھنے کا انتظام کیا۔ یہ ان کی کوششوں ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ مسلمان جو عام دنوں کی نماز تک نہیں پڑھتے تھے، اب جمعے کی نماز کے لئے اپنے اپنے گاؤں سے پیدل چل کر پورنا جاتے۔ کشن رائے کے بیٹے کو مسلمانوں کا ہر ہفتے مل کر نماز پڑھنا بہت ناگوار گزرا اور اس نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

آخر اس نے اس کی شکایت اپنے باپ سے کی۔ وہ تیتو میر کی بڑھتی ہوئی تحریک سے پہلے ہی خار کھا رہا تھا۔ اب جو اسے معلوم ہوا کہ ہر ہفتے مسلمان بہت بڑی تعداد میں جمع ہوتے ہیں تو اس نے تحریک کو کچلنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ مسلمان کسانوں پر ڈھائی روپے فی کس کے حساب سے داڑھی ٹیکس لگا دیا۔ کشن رائے کو معلوم تھا کہ تیتو میر اپنے پیروؤں کو سختی سے داڑھی رکھنے کا حکم دیتے ہیں اور چونکہ مسلمانوں کی مالی حالت اچھی نہیں ہے، اس لئے وہ ٹیکس سے بچنے کے لئے داڑھی منڈوا لیا کریں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مسلمانوں کسانوں نے نہ داڑھی منڈوائی اور نہ ہی ٹیکس ادا کیا۔ بلکہ کشن رائے کے اس ٹیکس کے خلاف زبردست تحریک چل پڑی۔ سرفراز پور نامی گاؤں کے لوگ اس قدر برہم تھے کہ جب زمیندار کے کارندے داڑھی ٹیکس وصول کرنے وہاں پہنچے تو انہیں خوب مارا پیٹا۔

جب کشن رائے کو اس کی خبر ملی تو وہ اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر آیا اور گاؤں پر حملہ کر دیا۔ گھروں کو لوٹا اور بستی والوں پر بڑے ظلم ڈھائے۔ فیروز پور کے باشندوں نے تھانے میں رپورٹ درج کرائی۔ تھانیدار ہندو تھا۔ اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ آخر مجبور ہوکر مجسٹریٹ کے سامنے کشن رائے کے مظالم کی داستان بیان کی گئی۔ اس انگریز مجسٹریٹ نے بھی مسلمان کاشتکاروں کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

جب تیتو میر نے دیکھا کہ ہندو زمینداروں

کے مظالم کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جا رہا ہے اور حکومت اس کی روک تھام بالکل نہیں کرتی بلکہ ہندوؤں کا ساتھ دیئے جا رہی ہے تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اس ظلم کے خلاف لڑیں گے۔ اب انہیں احساس ہو گیا تھا کہ سچی اسلامی زندگی بسر کرنے کے لئے آزادی حاصل کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ مسلمانوں کو نہ ہندو ہی جینے دیں گے اور نہ انگریز۔

اس فیصلہ کے بعد تیتو میر نے اپنے گاؤں نرکل باڑیہ کو جنگ آزادی کی تحریک کا مرکز بنایا۔ انہوں نے اپنے تمام پیروؤں کو وہاں جمع کیا۔ سبھوں نے مل کر اس گاؤں کے چاروں طرف بانس کی مضبوط فصیل کھڑی کر لی۔ ساتھ ہی ساتھ بڑے پیمانے پر روپے اور کھانے پینے کی چیزیں جمع کر لیں۔ پنجاب کے رہنے والے ایک شخص مسکین شاہ کو تیتو میر نے اپنا نائب مقرر کر دیا۔ غلام معصوم نامی ایک آدمی کو مجاہدین کا سپہ سالار بنایا گیا۔ اب بانس کے اس قلعے کے اندر چار ہزار کے قریب مجاہدین ظلم اور نا انصافی کو ختم کرنے اور آزادی کا پرچم بلند کرنے کے لئے بالکل تیار تھے۔

تیتو میر نے سب سے پہلے کشن رائے سے نمٹنے کے ارادہ کیا۔ چنانچہ مجاہدوں کی فوج بانس کے قلعے سے نکل کر پورنا کی طرف بڑھی۔ اس بڑی سی بستی پر حملہ کرنے کے بعد تیتو میر نے یہ اعلان کر

انوکھا پرندہ

دنیا میں ایک ایسا حیرت انگیز پرندہ بھی ہے جو اپنے گھر میں روشنی کئے رکھتا ہے۔ اس کا نام بیا ہے۔ یہ پرندہ فلپائن تک محدود ہے اس کے اپنے گھونسلے میں کبھی تاریکی نہیں ہوتی کیونکہ وہ ہمیشہ جگنوؤں کی تاک میں رہتا ہے۔ جونہی کوئی جگنو اس کی گرفت میں آتا ہے وہ اسے گھر لے جاتا ہے اپنے گھونسلے میں تنکوں کا ایسا تانا بانا بنتا ہے کہ جگنو باوجود کوشش کے اس جال کی گرفت سے نہیں نکل سکتا اس طرح کئی جگنو اس کی جھونپڑی کی زینت بن جاتے ہیں۔

مرسلہ ...... عبدالباسط ہری پور

دیا:۔

"اب بنگال سے انگریزی راج ختم ہو گیا ہے۔ انگریزوں نے نا انصافی سے مسلمانوں کی حکومت چھین لی تھی لیکن اب یہ دوبارہ قائم کی جاتی ہے۔"

پورنا کے بعد ندیا، لدگھاٹا، جیسور، رام چندر نگر اور ہگلی پر مسلمان مجاہدوں نے قبضہ کر لیا۔ جب مقامی انگریز حکام اس فوج کشی کو نہ دبا سکے تو ۱۶ نومبر ۱۸۳۱ء کو ملیشیا فوج روانہ کی گئی۔ اس دستے کے کمانڈر کا نام الگزینڈر تھا۔ تیتو میر کی فوج نے اس انگریز کمانڈر کو زبردست شکست دی۔ اس کے دس سپاہی اور تین بندوقچی ہلاک ہوئے۔ زخمیوں کی تعداد خاصی تھی۔ خود الگزینڈر بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا۔

دوسرے دن ایک اور کمک روانہ کی گئی۔ اس بار انگریزوں کو ہاتھیوں پر بٹھایا گیا تھا تاکہ اوپر ہی

سے فائر کرتے رہیں۔ تیتو میر کے سپاہیوں نے اس فوج کو بھی مار بھگایا۔

جب انگریزوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح پر فتح حاصل ہوتی جا رہی ہے اور جو بھی دستہ ان کی سرکوبی کیلئے بھیجا گیا وہ بری طرح ناکام لوٹا، تو آخر میں کلکتہ سے ایک بڑی فوج روانہ کی گئی۔ اس میں سو گورا سپاہی تھے اور باقی ہندوستانی تھے سب کے سب بندوقوں سے مسلح تھے۔ دو عدد توپیں بھی ان کے ساتھ تھیں۔

ادھر تیتو میر کے ساتھیوں کے پاس سوائے نیزے اور ڈنڈوں کے کچھ نہ تھا۔ اس کے باوجود ذرا بھی نہیں گھبرائے بلکہ نہایت جرأت اور بہادری کے ساتھ بانس کے قلعے سے نکلے اور کھلے میدان میں انگریز فوج کا مقابلہ کیا۔ لیکن اتنی بڑی فوج کا جس کے پاس بندوقیں اور توپیں تھیں، زیادہ دیر تک مقابلہ کرنا مجاہدین کے لئے ممکن نہ تھا۔ تیتو میر میدانِ جنگ میں نہایت دلیری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کے ستر ساتھیوں نے شہادت پائی۔ غلام معصوم اور ان کے ساتھ تین سو کے قریب مجاہدین کو گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں غلام معصوم کو انگریزوں نے سپہ سالاری کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا اور باقی لوگوں کو بہت سخت سزائیں دیں۔

تیتو میر نے انگریزوں سے لڑتے ہوئے اپنی زندگی قربان کر دی لیکن ان کی شہادت نے مسلم بنگال کے ہر فرد کو یہ پیغام دے دیا کہ اس کا دشمن ہندو بھی ہے اور انگریز بھی! اور ان دونوں سے مقابلہ کرنے کے بعد ہی آزادی حاصل ہو سکتی ہے!!!

آنکھ مچولی کا تحفہ کس کو ملا؟

ماہ ستمبر میں ہونے والی قرعہ اندازی میں مندرجہ ذیل ساتھیوں کے نام نکلے۔ انہیں ایک سال کے لئے آنکھ مچولی اعزازی طور جاری کیا جا رہا ہے۔

ادارہ تحائف حاصل کرنے والے ساتھیوں کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔

(۱) قمر الزماں کھتری، بدین (۲) دیدار علی کھوکھر، لاڑکانہ (۳) شاہد محمود، ساہیوال
(۴) عاطف خان لغاری، مظفر گڑھ (۵) محمد خالد، کراچی (۶) نعیم علی، بہاولپور
(۷) فاریہ فاروقی، کوئٹہ (۸) جنید احمد، شیخوپورہ (۹) سید فراز علی، حیدرآباد
(۱۰) محمد حنیف، نوشہرہ

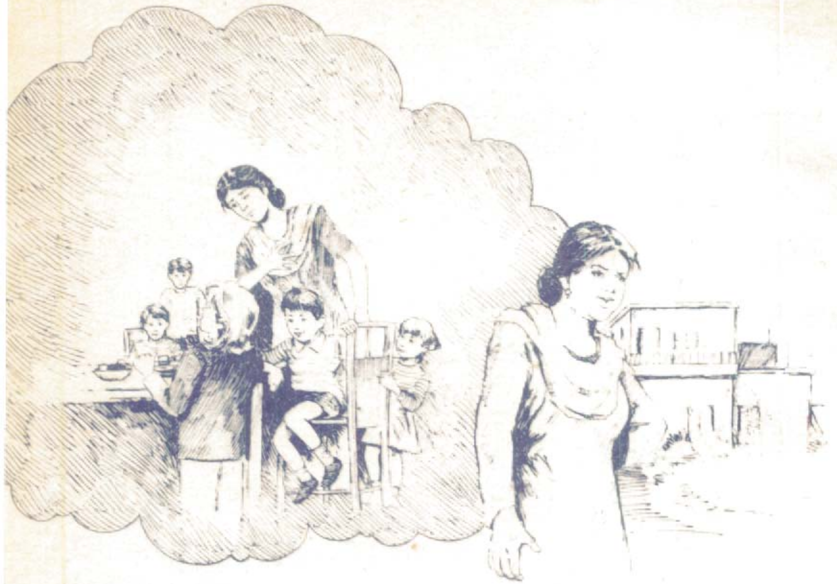

سایہ ہم سایہ

نائلہ صدیقی

"امی امی! ساتھ والے گھر میں نئے پڑوسی آگئے ہیں۔" گڈو نے نہایت جوش سے اپنی امی کو اطلاع دی۔ "اچھا! چلو شکر ہے ہمیں بھی پڑوسی نصیب ہوئے۔" شاکرہ بیگم نے گہری سانس لے کر کہا۔ "امی! شام کو ان سے ملنے چلیں گے ناں؟" گڑیا نے پوچھا۔ "ہاں ہاں کیوں نہیں؟ پڑوسیوں کا بڑا حق ہوتا ہے۔ پھر ہمیں تو اتنے دنوں بعد پڑوسی ملے ہیں، ہمارے لئے تو وہ نعمت ہیں نعمت۔" شاکرہ بیگم نے کہا۔ "واقعی۔" سارے بچے ان کی تائید میں سرہلانے لگے۔

نئے پڑوسیوں کا گھرانہ اکرم صاحب، بیگم اکرم اور ایک چھوٹی بچی پر مشتمل تھا۔ شاکرہ بیگم اپنے پانچ بچے لے کر ان سے ملاقات کے لئے گئیں تو ان لوگوں نے نہایت خوش اخلاقی سے ان کا استقبال کیا۔ تعارف کی رسم ادا ہونے کے بعد شاکرہ بیگم نے کہا "آپ لوگوں سے مل کر

بہت خوشی ہوئی' اچھا پڑوسی تو نعمت ہوتا ہے اور ہم کافی عرصے سے اس نعمت سے محروم تھے۔ خدا کرے یہ گھر آپ کو راس آئے ورنہ ہمیں ایک دفعہ پھر پڑوسی سے محروم ہونا پڑے گا"

"کیا مطلب؟ کیا پچھلے مکینوں کو یہ گھر راس نہیں آیا تھا؟" مسز اکرم نے پوچھا۔

"پچھلے مکینوں کی کیا بات ہے؟ یہ مکان تو کسی کو راس نہیں آیا۔ ہم تو دس سال سے پڑوس میں رہ رہے ہیں۔ ہمیشہ یہی تماشا دیکھنے میں آیا کہ کسی نے مکان خریدا اور سال دو سال بعد بیچ کر بھاگ گیا۔ دو ایک مرتبہ کرائے پر چڑھایا گیا مگر کرائے دار بھی نہ ٹک سکے۔ بس یہی سلسلہ ہے 'لوگ آتے ہیں' جاتے ہیں کوئی جم کر نہیں رہ پاتا۔" شاکرہ بیگم نے کہا

"مگر کیوں؟ کوئی وجہ بھی تو ہو۔" مسز اکرم نے پوچھا۔

"ارے بہن! کیا بتاؤں؟ اب تو آپ نے یہ مکان خرید لیا ہے مگر --- چلو' خدا خیر کرے گا۔" شاکرہ بیگم نے گول مول انداز میں کہا۔

"آپ بتایئے تو سہی کیا بات ہے؟" مسز اکرم نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"بھئی کچھ "سائے" وغیرہ کا چکر ہے تب ہی تو کوئی ٹک نہیں پاتا۔ لوگ یہاں اچھے بھلے رہتے ہیں پھر اچانک ایک دن معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ گھر خالی کر کے جا رہے ہیں۔ یہ سب کسی "سائے" کی کارستانی ہے۔" شاکرہ بیگم نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اچھا!!! تو کیا کبھی کوئی پر اسرار واقعہ دیکھنے میں آیا؟ کوئی آوازیں وغیرہ؟" مسز اکرم نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"نہیں! یہی تو بات ہے۔ کوئی عجیب و غریب واقعہ یا آوازیں وغیرہ سننے میں نہیں آئیں۔ بظاہر کچھ محسوس نہیں ہوتا مگر اندر ہی اندر کچھ ہوتا ضرور ہے۔ دیکھئے ناں کوئی خواہ مخواہ ہی تو اچھا بھلا گھر چھوڑ کر نہیں چلا جاتا۔" شاکرہ بیگم نے کہا۔

"ہاں یہ تو ہے۔ مکان خریدنا اور بیچنا آسان کام نہیں' خیر! اب ہم اس گھر میں آگئے ہیں تو گزر کرلیں گے اللہ مالک ہے۔" مسز اکرم نے کہا۔

"خدا کرے! ہماری تو دلی آرزو ہے یہ۔" شاکرہ بیگم نے کہا۔

دھڑ' دھڑ دھڑ۔ مسز اکرم کو اپنا دروازہ ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ انہیں ایسا لگا جیسے کوئی بھوت ان کے دروازے پر ٹکریں مار رہا ہو۔ انہوں نے اللہ کا نام لے کر دروازہ کھولا۔ سامنے بھوت کے بجائے شاکرہ بیگم کا چھوٹا بچہ کھڑا تھا۔ "کیا بات ہے بیٹا؟" مسز اکرم نے اپنے حواس پر قابو پا کر شفقت کا مظاہرہ کیا۔ "امی کہہ رہی ہیں ایک کپ چینی دے دیں' پہلی تاریخ کو ہمارا راشن آئے گا تو

واپس کردیں گے۔" بچہ ٹیپ ریکارڈ کی طرح بجنے لگا۔ "اچھا! آؤ میں چینی دے دیتی ہوں۔" مسزاکرم نے کہا۔ بچہ جو غالباً ابھی کہیں کیچڑ میں اسکیٹنگ کر کے آیا تھا، کیچڑ بھرے جوتے لئے اندر گھسا چلا آیا اور ان کے صاف ستھرے صحن میں نقش و نگار بنانے لگا۔ مسزاکرم نے ایک کپ چینی بچے کو پکڑا دی۔ "پہلی تاریخ کو واپس کردیں گے۔" بچہ توتے کی طرح چبھتی ہوئی آواز میں بولا اور باہر نکل گیا۔ وہ اپنے نقشِ قدم چھوڑ گیا تھا۔ مسزاکرم نے دروازہ بند کر کے جھاڑو اور پانی کا پائپ سنبھال لیا۔

مسزاکرم کے یہاں کئی پہلی تاریخیں آئیں اور گزر گئیں مگر ان کے پڑوس میں کوئی پہلی تاریخ نہ آئی، کبھی کبھی انہیں اپنا گھر ایک جنرل اسٹور محسوس ہوتا جہاں شاکرہ بیگم کے بچے اکثر وبیشتر کچھ نہ کچھ مانگنے کے لئے کھڑے ہوتے۔ شاکرہ بیگم نے گویا قسم کھائی ہوئی تھی کہ وہ اپنے گھر میں اس وقت تک کوئی کھانا نہیں پکائیں گی جب تک اس میں مسزاکرم سے مانگی ہوئی کوئی چیز نہ ڈالی جائے۔ نمک اور شکر کی فراہمی تو اب مستقل طور پر مسزاکرم کی ذمہ داری بن چکی تھی۔ مسزاکرم نے ہزار مرتبہ کہنا چاہا کہ یہ ہمارا گھر ہے کھوڑا کی کان نہیں مگر کہہ نہ پائیں۔

دروازے پر ہولناک دستک سن کر مسزاکرم بھنا گئیں۔ "یہ یقیناً" شاکرہ بیگم کے بچے ہوں گے، وہی اتنے جذباتی انداز میں دستک دیتے ہیں، ذرا دم نہیں لیتے، اب کیا ہم دروازے سے چپکے کھڑے رہیں کہ جونہی دستک ہوئی ہم لپک کر دروازہ کھول دیں۔" مسز اکرم بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھیں۔ سامنے شاکرہ بیگم کھڑی تھیں۔ "کیا ہوا؟ خیریت؟" مسزاکرم نے سہم کر پوچھا کیونکہ عموماً" شاکرہ بیگم بڑی چیزیں مانگنے آتی تھیں۔ "بس کیا بتاؤں؟ میرے ایک عزیز کا انتقال ہوگیا ہے۔ مجھے وہاں جانا ہے۔ اب ایسے موقع پر بچوں کو ساتھ لے جانا مناسب نہیں اور آج کل حالات بھی ایسے نہیں کہ بچوں کو گھر پر تنہا چھوڑا جائے۔ آپ ایک مہربانی کریں، ان بچوں کو اپنے گھر رکھ لیں، میں تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گی۔" شاکرہ بیگم نے غم زدہ آواز میں کہا۔ "کیوں نہیں ضرور!" مسزاکرم نے اچھے پڑوسی ہونے کا ثبوت دیا۔ شاکرہ بیگم اپنے بچے ان کے گھر چھوڑ کر چلی گئیں۔ مسزاکرم بچوں کو اندر لے آئیں۔ "تم لوگ یہاں بیٹھو! ناشتہ کرلیا تم لوگوں نے؟" مسزاکرم نے پوچھا۔ "نہیں" ایک بچے نے اپنے منہ پر سے انڈے کی زردی پونچھتے ہوئے کہا۔ "اچھا میں ناشتہ لے کر آتی ہوں۔" مسز اکرم نے کہا۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے ناشتہ تیار کر کے میز پر رکھا۔ "آؤ بچو! ناشتہ کرلو، دیکھو

تکلف نہ کرنا۔" انہوں نے بادل نخواستہ شفقت کا مظاہرہ کیا۔ تکلف نہ کرنے کا لائسنس ملتے ہی بچوں نے بے تکلفی شروع کردی۔ پہلے تو ایک بچے نے کانٹے سے آملیٹ کھایا پھر اسی کانٹے سے مسز اکرم کی بچی پر وار کرنا شروع کردیئے۔ مسز اکرم نے اس کے ہاتھ سے کانٹا چھینا وہ خوفناک انداز میں رونے لگا۔ "آنٹی! میں امی کو بتاؤں گا کہ آپ نے مجھے اور گڈو کو مارا تھا۔" دوسرے بچے نے آنکھیں چمکا کر کہا اور دودھ کا جگ اٹھا کر منہ سے لگالیا۔ "ارے ارے بیٹا! گلاس میں لو ناں۔" مسز اکرم وحشت زدہ ہو کر اس کی طرف لپکیں۔ "یہ گلاس میں نہیں پیتا۔" بہن نے کہا۔ "تو پھر کس طرح پیتا ہے؟" مسز اکرم نے گھبرا کر پوچھا۔ "پتیلی سے۔" بہن نے بھائی کی زندگی کے خفیہ گوشے بے نقاب کیے۔ "آنٹی مجھے ناشتہ دیجئے ناں!" ایک بچی نے چھ سلائس کھانے کے بعد ٹھنک کر کہا۔ "یہ ہے تو ناشتہ۔" مسز اکرم نے میز کی طرف اشارہ کیا۔ "واہ یہ ناشتہ ہے؟ ہم تو پراٹھے کھاتے ہیں پراٹھے۔" بچی نے کہا اور پھر پورا کمرہ پراٹھا پراٹھا سے گونجنے لگا۔ مسز اکرم کچن میں گھس کر پراٹھا سپلائی مشن میں مصروف ہوگئیں۔ خدا خدا کر کے ناشتہ کا تکلیف دہ سلسلہ ختم ہوا تو بچے دندناتے ہوئے ڈرائنگ روم میں جا گھسے اور اپنی اپنی پسند کے ڈیکوریشن پیس اٹھا کر توڑنے پھوڑنے لگے۔ "بچو! ٹی وی دیکھو گے؟" مسز اکرم نے ان کی تخریب کاری روکنے کی کوشش کی۔ "ہاں ہاں ہم کارٹون فلم دیکھیں گے۔" بچے پاگلوں کی طرح چلانے لگے۔ "تو پھر چلو آئینے کے سامنے۔" مسز اکرم نے دل میں کہا مگر ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور بچوں کو ٹی وی لاؤنج میں لے گئیں۔ کارٹون فلم دیکھنے کے دوران بچے صوفوں پر اچھلتے رہے۔ "ارے تمہارا ایک بھائی کہاں گیا؟" مسز اکرم نے بوکھلا کر پوچھا۔ "ڈھونڈ لیجئے، آپ کا گھر ہے۔" ایک بچے نے کندھے اچکائے۔ وہ گم شدہ بچے کی تلاش میں روانہ ہوگئیں۔ گمشدہ بچہ فرج میں گہری دلچسپی لیتا پایا گیا۔ کسٹرڈ کی خالی ڈش مسز اکرم کا منہ چڑا رہی تھی۔ بچہ منہ میں کسٹرڈ اور ہاتھ میں سیب دبا کے بھاگ گیا۔ دوسرے ہی لمحے بقیہ چار بہن بھائی چیونٹیوں کی طرح قطار بنائے نمودار ہوئے۔ "آنٹی! ہم کو سیب دیں ناں۔" ایک بچی نے لاڈلی بنتے ہوئے کہا۔ بھائیوں نے لاڈ پیار اور اخلاق میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور خود ہی ہاتھ بڑھا کر دو دو سیب اٹھالئے۔ بچی کو مسز اکرم نے سیب دے کر اس کا منہ بند کیا۔ بچے اچھلتے کودتے بھاگ گئے۔ شام تک بچوں کا فرمائشی پروگرام جاری رہا۔ خدا خدا کر کے مغرب کے بعد شاکرہ بیگم اپنے بچے وصول کرنے آئیں۔

"معاف کیجئے گا تھوڑی دیر ہوگئی۔" انہوں نے معذرت کی۔ "تھوڑی دیر!" مسز اکرم نے اپنے گھر پر نظر ڈالی جو شورش زدہ علاقہ معلوم ہو رہا تھا۔ "کوئی بات نہیں۔" انہوں نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔ شاکرہ بیگم اپنے بچے سمیٹ کر چل دیں۔

"واہ مسز اکرم! آپ نے اچھی ہمسائیگی کا مظاہرہ کیا' آپ نے تو میرے بچوں کی جان لینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی آخر ایسی کیا دشمنی تھی میرے بچوں سے؟" شاکرہ بیگم برس رہی تھیں۔ "مم مگر کیا ہوا؟" مسز اکرم نے گھبرا کر پوچھا۔ "ہونا کیا تھا؟ ذرا سی دیر کے لئے آپ کے گھر چھوڑا تو آپ نے نجانے کیا الٹا سیدھا کھلا دیا' بچوں کو بدہضمی ہوگئی' حالت خراب ہوگئی میرے بچوں کی' رات بھر میں اتنے کمزور ہوگئے ہیں کہ پہچانے نہیں جاتے' بھئی اگر آپ بچوں کو نہیں رکھنا چاہتی تھیں تو صاف کہہ دیتیں بھلا بچوں کو زہر دینے کی کیا ضرورت تھی؟ شاکرہ بیگم نے بھڑک کر کہا۔ "زہر"!!! مسز اکرم کا رنگ اڑ گیا۔ "ہاں تو اور کیا؟ خراب غذا بھی تو ایک طرح کا زہر ہوتی ہے' میں تو بچوں کو کھلانے پلانے میں اتنی احتیاط کرتی ہوں آپ نے ساری احتیاط پر پانی پھیر دیا۔" شاکرہ بیگم نے کہا اور پھر کہتی چلی گئیں۔ مسز اکرم اپنی صفائی میں ایک لفظ نہ کہہ پائیں۔ شاکرہ بیگم دل کی بھڑاس نکال کر چلی گئیں۔ مسز اکرم کا خیال تھا کہ اب پڑوسیوں سے ان کے تعلقات ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکے ہیں مگر ان کا خیال غلط ثابت ہوا۔ شام کو ان کے دروازے پر شاکرہ بیگم کی چھوٹی بیٹی کھڑی نہایت اپنائیت سے چائے کی پتی مانگ رہی تھی۔ اب یہ معمول بن چکا تھا کہ شاکرہ بیگم جب کہیں جاتیں بچوں کو مسز اکرم کے گھر چھوڑ جاتیں پھر دوسرے دن کسی نہ کسی بات کی شکایت کرنا ان کے معمولات میں شامل تھا۔ دوسری طرف شاکرہ بیگم کے شوہر تھے جن کا واحد مشغلہ دیوار پر ہتھوڑے

آسمان سے گرا.....

یہ واقعہ اٹلی کے ایک شہر میدان کا ہے۔ ایک ڈاکو پستول لہراتا ہوا ایک بینک میں داخل ہوا لیکن دروازے پر پھسل گیا اور گر گیا۔ اس کے منہ پر بندھا ہوا رومال کھل گیا اور پستول دور جا گرا۔ ڈاکو جلدی سے اٹھا' منہ پر رومال باندھا اور پستول اٹھا کر خزانچی کی طرف بڑھا تو پھر گر گیا۔ بینک میں موجود لوگ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگئے۔ ڈاکو گھبرا گیا اور جلدی سے باہر نکل کر اپنی کار کی طرف دوڑا۔ تو وہاں پر پولیس اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے کار ایسی جگہ پارک کی تھی جہاں پارکنگ منع تھی۔

برسانا اور ڈرل مشین سے سوراخ کرنا تھا۔ شاکرہ بیگم کے بیان کے مطابق ان کے شوہر کو انجنیئر بننے کا شوق تھا مگر حالات نے اجازت نہ دی سو اب وہ فارغ اوقات میں گھر میں ہی انجینئرنگ کی صلاحیتیں آزماتے ہیں۔ اس سلسلے میں گھر کی دیواریں خاص نشانہ بنتی تھیں۔ مسٹر اور مسز اکرم کو ایسا محسوس ہوتا جیسے کوئی ان کے سر پر ہتھوڑے برسا رہا ہو۔ بالخصوص اس وقت ان کے اعصاب جواب دینے لگتے جب ان کی ملحقہ دیوار پر انجینئرنگ کا زور دکھایا جاتا۔ ایک دو بار مسز اکرم نے دبی زبان سے شاکرہ بیگم کی توجہ اس طرف دلائی مگر اس کے جواب میں جو کچھ سننا پڑا وہ ہتھوڑوں سے زیادہ اعصاب شکن تھا۔

تڑ، تڑ، تڑاتڑ۔ ہتھوڑا اور ڈرل مشین مسلسل چل رہے تھے۔ صبح ہی سے سردرد میں مبتلا مسز اکرم نے بیچارگی سے پڑوس کی دیوار اور پھر اپنے شوہر کو دیکھا۔ "اس کا کچھ علاج کرنا ہی ہوگا، اب میں برداشت نہیں کر سکتا۔" اکرم صاحب بڑبڑائے۔ "نہیں نہیں! آپ کچھ مت کہیئے گا ان لوگوں سے، خواہ مخواہ جھگڑا ہوگا اور محلے میں تماشا بنے گا، پھر خاموش ہمیں ہی ہونا پڑے گا تو پھر فائدہ جھگڑے سے؟" مسز اکرم نے سمجھایا۔ "تو پھر کیا کیا جائے؟ اس طرح تو گزر نہیں ہو سکتا" اکرم صاحب نے کہا۔ "ہاں واقعی! اس طرح تو گزر نہیں ہو سکتا، کچھ کرنا پڑے گا۔" مسز اکرم نے سوچتے ہوئے کہا۔

"امی امی! پڑوس والے جا رہے ہیں۔" شاکرہ بیگم کے بیٹے نے اطلاع دی۔ "جا رہے ہیں! کہاں؟" انہوں نے پوچھا۔ "نئے گھر میں۔" بیٹے نے بتایا۔ "نئے گھر میں! ہاں بھئی میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا، سایہ ہے اس گھر میں سایہ! کسی کو بسنے نہیں دیتا۔ اب ہمیں پھر نئے پڑوسیوں کا انتظار کرنا پڑے گا" شاکرہ بیگم نے اداسی سے کہا اور باہر کی طرف بڑھ گئیں تاکہ جانے والے پڑوسیوں کو الوداع کہہ سکیں۔

اعلان

"ہم آپ کی تصویر شائع کریں" اور "ہیرو کے مہمان" کے سلسلے ختم کر دیئے گئے ہیں۔ دونوں سلسلوں میں ہمیں مناسب تصاویر اور تعارف موصول نہیں ہو سکے۔ تحریری مباحثے میں حصہ لینے والوں کے نام اور انعام یافتہ تحریریں نومبر کے خاص نمبر میں شائع کی جائیں گی۔

(ادارہ)

فطرت کے رنگ کمپیوٹر کے سنگ

سلمان خان

ایک مچھلی کی جلد پر ڈالے گئے مختلف اسپاٹ

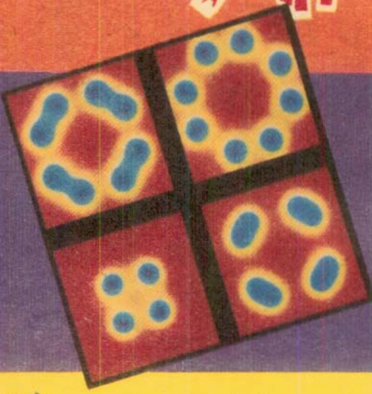

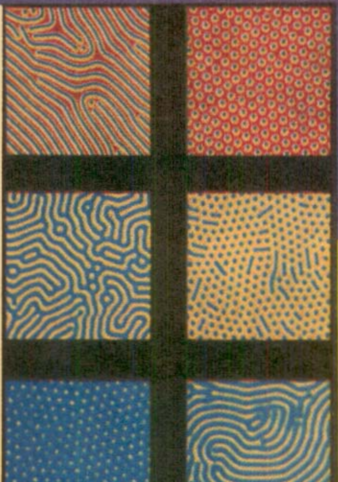

ہم یہ جانتے ہیں کہ ایک چیتا اپنی جلد پر موجود داغوں کو تبدیل نہیں کر سکتا لیکن اب جدید سائنس نے یہ ممکن کر دکھایا ہے اب جدید کمپیوٹر اور کیمیکل ری ایکشن کی مدد سے ایک چیتے پر داغوں کی تعداد میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے یا ان داغوں کو زیبرا جیسی پٹیوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

اس تبدیلی میں سب سے پہلے کمپیوٹر کی مدد سے ڈائزائن تیار کیا جاتا ہے اور پھر کمپیوٹر ہی کی مدد سے کیمیکل کا تناسب معلوم کیا جاتا ہے اس کے بعد کسی بھی جانور کے بچے کو یہ کیمیکل مختلف انداز سے دیا جاتا ہے۔ یہ کیمیکل اس بچے کی ہڈیوں، خون اور جلد پر اپنا ری ایکشن دکھاتا ہے اور پھر بچہ جیسے جیسے بڑا ہوتا ہے اس کی جلد پر کمپیوٹر کا بنایا ہوا ڈیزائن واضح ہوتا جاتا ہے۔

کمپیوٹر کی مدد سے تیار کیے گئے چند قدرتی ڈیزائن

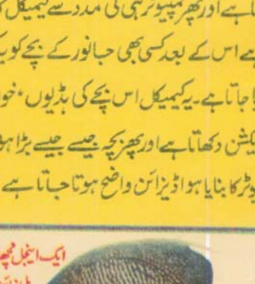

ایک اینجل مچھلی جس کی جلد پر کمپیوٹر ڈیزائن ڈالا گیا ہے یہی ڈیزائن دوسرے پرندوں اور جانوروں پر بھی ڈالا جا سکتا ہے۔

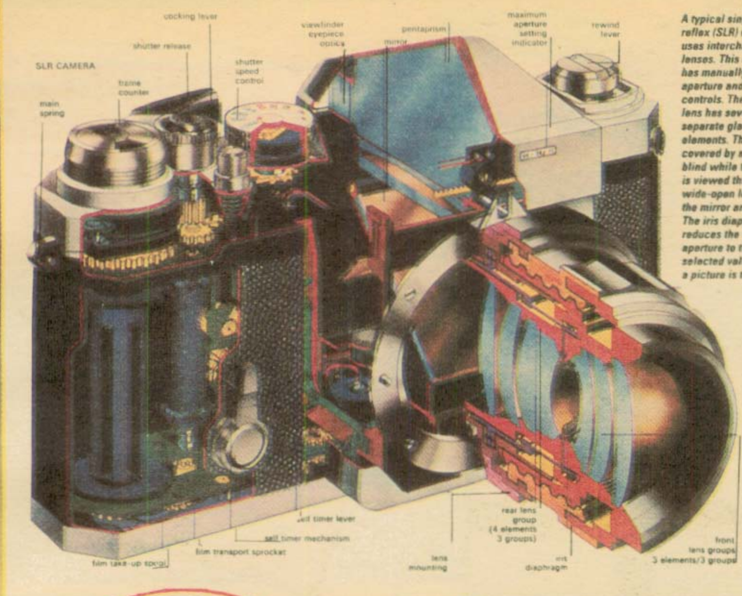

A typical single lens reflex (SLR) camera uses interchangeable lenses. This model has manually adjusted aperture and shutter controls. The standard lens has seven separate glass elements. The film is covered by a shutter blind while the scene is viewed through the wide-open lens, via the mirror and prism. The iris diaphragm reduces the lens aperture to the selected value when a picture is taken.

ایک انقلابی ایجاد

کیمرہ

این سرور

کیمرہ ایک انقلابی ایجاد ہے۔ اس ایجاد نے دنیا پر عجیب وغریب اثر ڈالا ہے۔ غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ تصویریں کس طرح ہماری زندگی کا حصہ بن گئی ہیں۔ آیئے ذرا اس ایجاد کی تفصیل معلوم کرتے ہیں۔

جب ایک تصویر کھینچی جاتی ہے تو کیمرے کا لینس اس منظر کو اپنے اندر منتقل کر دیتا ہے اور کیمرے میں موجود فلم پر اس کا عکس واضح ہو جاتا ہے۔ کیمرے کی نیگیٹو ریل بعد میں مختلف کیمیائی عمل سے گزر کر واضح طور پر تصویر کی صورت میں سامنے آتی ہے۔

فرنچ انجینئر نائس فور نائپس نے پہلی تصویر ۱۸۲۶ء میں کھینچی۔ اس پہلی تصویر کے لئے ایک بیرونی منظر کی عکس بندی کی گئی۔ اس منظر کے اتارنے میں آٹھ گھنٹے صرف ہوئے۔ آٹھ گھنٹوں کی کوشش کے بعد یہ بیرونی منظر نائپس نے اپنے کیمرے کی حسّاس اور ہلکی سی پلیٹ پر منعکس کیا۔ نائپس نے تصویر کھینچنے کے عمل کو تکمیل تک نہیں پہنچایا کیونکہ ۱۸۳۳ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ تاہم نائپس کے ساتھی سائنس داں لوئس ڈیگوئر نے مزید تجربات کے ذریعہ جنوری ۱۸۳۹ء میں تصویر کھینچنے کا نیا طریقہ دریافت کیا جو ڈیگویروٹائپ پروسیس کہلایا۔

پہلے کسی منظر کی عکس بندی صرف ماہر فوٹو گرافر ہی انجام دیا کرتے تھے۔ مگر اب نئے طریقہ کے ذریعہ کوئی بھی معیاری تصویر کھینچ سکتا تھا۔ تصویر کھینچنے کا نیا طریقہ عمل لوگوں کو متوجہ کرنے لگا۔ لیکن یہ طریقہ بھی بہت جلد ختم ہوگیا اور ایک انگریز ولیم ہنری فوکس ٹالبوٹ نے پہلی مرتبہ نیگیٹو پوزیٹو کو متعارف کرایا۔

نیگیٹو پوزیٹو کا عمل : نیگیٹو اور پوزیٹو کے عمل میں کیمرے کے اندر جب فوٹو پلیٹ کو روشنی پہنچتی ہے تو منظر کا عکس فوٹو پلیٹ پر آجاتا ہے اور یہ عکس بعد میں کیمیائی عمل سے گزر کر نیگیٹو کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ فوٹو پلیٹ پر روشنی کے اثرات یکسر الٹ ہوتے ہیں۔ فوٹو پلیٹ کے روشن حصہ سیاہ نظر آتے ہیں اور سیاہ حصہ روشن نظر آتے ہیں۔ دوسرے مرحلے میں نیگیٹو کے عکس کو روشنی کی مدد سے ایک کاغذ پر منتقل کیا جاتا ہے اور بعد میں سفید کاغذ کو مختلف کیمیائی عمل سے گزارا جاتا ہے جس کے بعد ایک مکمل تصویر سامنے آتی ہے۔

مشہور و مقبول فوٹوگرافی : ۱۸۸۹ء میں کوڈک ایک نئے طرح کا کیمرہ منظر عام پر لایا۔ جس کے ذریعے ایک ہی وقت میں کئی کئی تصویریں کھینچ لی جاتی تھیں اور اس کے لئے ایک ہی رول استعمال کیا جاتا تھا۔ کیمرے میں رول بار بار نہیں ڈالنا پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فوٹو پلیٹ کو روشنی پہنچانے کا عمل پلک جھپکتے میں ہوجاتا تھا۔ اس جدید طریقہ کی مدد سے تصویر اتارنا ایک دلچسپ

مشغلہ بن گیا۔

تصویر کھینچنے کا صحیح طریقہ : تصویر کھینچتے ہوئے اس بات کا تعیّن کرنا بے حد ضروری ہے کہ آپ تصویر کے کس پہلو کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر آپ کو کسی کی بھاگتے ہوئے یا دوڑ لگاتے ہوئے تصویر لینی ہے تو اس تصویر کے لئے آپ کو بھاگتے ہوئے شخص کی رفتار پر روشنی ڈالنی ہوگی اور بھاگنے کی شدت پر زور ڈالنا ہوگا۔ تصویر اتارتے وقت فوٹو گرافر کو اس بات کا اندازہ کرنا چاہیئے کہ اسے بھاگتے ہوئے شخص کے پاؤں اور جسم پر زیادہ توجہ دینی ہے اور اس شخص کے پیچھے جو منظر نظر آرہا ہے اس کو سرسری سا پیش کرنا ہے۔

تصویر کھینچتے ہوئے جہاں کیمرے کو پہنچنے والی روشنی اہمیت رکھتی ہے وہیں اس بات کی بھی اہمیت ہے کہ تصویر جس سوراخ کی مدد سے دیکھ کر اتاری جاتی ہے (اس سوراخ کو اپرچر (Aperture) کہتے ہیں) اس کو سیٹ کیا گیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس کی مدد سے تصویر میں موجودہ اطراف کی چیزوں کو بھی واضح کیا جاتا ہے۔ کیمرے کو فوکس کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اگر ہمیں تصویر میں مناظر کو دور دور تک واضح کرکے پیش کرنا ہے تو اپرچر کا دائرہ کم کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر اگر آپ کو کسی مصروف شارع کی تصویر لینی ہے اور اس تصویر کے مناظر کو واضح طور پر پیش کرنا ہے تو چھوٹے دائرے والا اپرچر استعمال کرنا ہوگا۔ لیکن اگر آپ کو صرف ایک شخص کو دکھانا ہے اور بقیہ منظر کو تصویر میں اہمیت نہیں دینی ہے تو وسیع دائرہ کا اپرچر استعمال کرنا ہوگا۔

موجودہ دور میں مختلف بین الاقوامی کمپنیوں نے آٹومیٹک کیمروں کی یلغار کی ہوئی ہے، جس کے ذریعہ کوئی بھی شخص باآسانی تصویر کھینچ سکتا ہے۔ اس قسم کے آٹومیٹک کیمروں میں زوم لینس (Zoom Lens) اور اپرچر خودکار طریقوں سے کام کرتے ہیں اور ماحول کے مطابق تبدیلی عمل میں لاتے ہیں۔ایسے خودکار کیمروں میں رات کے وقت منظر کشی کے لئے فلیش بھی کیمروں سے منسلک ہوتا ہے۔ فوٹوگرافی اب صرف ماہر فوٹو گرافر تک محدود نہیں بلکہ ایک عام شخص بھی خودکار کیمروں سے نہایت عمدہ تصاویر کھینچ سکتا ہے۔

۱۹۷۰ء کے بعد مغربی ممالک میں پولو رائڈ (Poloriod) کیمروں نے خوب شہرت حاصل کی۔ اس قسم کے کیمروں میں یہ خصوصیت ہے کہ تصویر کھینچنے کے کچھ لمحوں بعد خودکار نظام کے تحت کیمرے سے باہر نکل آتی ہے۔ موجودہ دور کی اس بہترین ایجاد نے فوٹوگرافی کو ایک سہل اور سادہ صورت دے دی ہے۔ فوٹوگرافی کی ابتدا میں ایک تصویر کھینچنے کے لئے ۱۵ سے ۳۰ منٹ صرف ہوجاتے تھے مگر آج کے تیز رفتار دور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فوٹوگرافی کی اس صنف یعنی پولو رائڈ کیمروں نے تصویر اتارنے کے عمل کو صرف چند سیکنڈ پر محیط کردیا ہے۔ تصویر اتارنے کے چند لمحوں بعد ہی خودکار نظام کے تحت اس کے نتائج آپ کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔

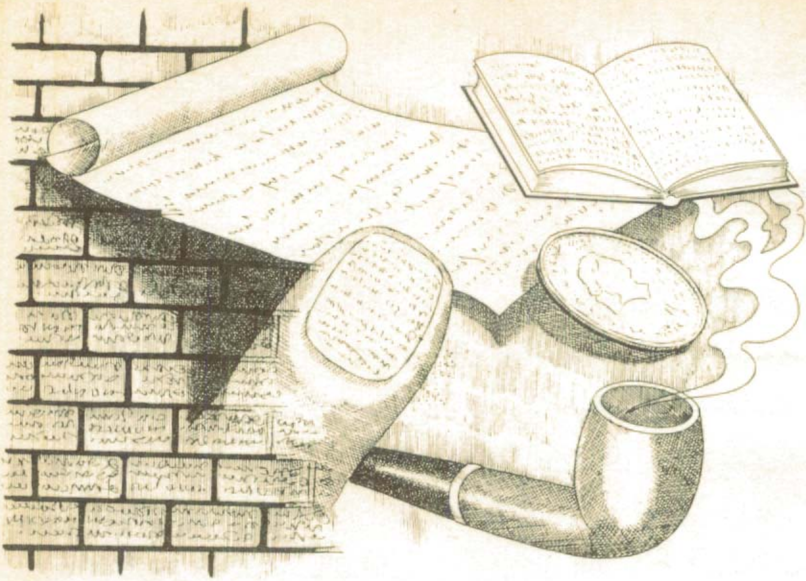

دلچسپ وصیت نامے

غلام عباس طاہر

ایک شخص نے خودکشی سے قبل اپنے انگوٹھے کے ناخن پر وصیت لکھی اور ناخن کو انگلی سے اکھاڑ پھینکا۔

الاسکا میں ایک شخص طویل مدت کی قید بھگت رہا تھا۔اس نے اپنی وصیت جیل کی ایک دیوار پر لکھ دی اور جب اس کی موت پر اس کے ورثے کی تقسیم پر قانونی تنازعہ پیدا ہوا تو ترکے کے امیدواروں کی درخواست پر جج نے جیل کی دیوار اٹھوا کر عدالت میں پیش کرنے کا حکم دیا اور اس پر عدالتی نشان ایگزبٹ اے لگایا۔ تین ہزار برس کے پرانے وصیت نامے بھی آج محفوظ ہیں اور قانون دان وصیت ناموں کے قانونی نکات پر بحث کرتے وقت ہمیشہ ارسطو کے شہرۂ آفاق وصیت نامے کا حوالہ دیتے ہیں جو یونان کے اس نامور فلسفی نے ۳۲۲ قبل مسیح میں تحریر کیا تھا۔اس وصیت نامے کی عبارت ہر اعتبار سے جامع ہے اور اسے معیاری دستاویز سمجھا جاتا ہے۔

دنیا کا سب سے طویل وصیت نامہ دنیا کے

سب سے بڑے شعبدہ باز فینئز برنم کا تحریر کردہ ہے۔ یہ وصیت نامہ ۵۳ صفحات پر انتہائی گنجان عبارت میں ہے۔ یہ شخص اپنے سرکس میں حیرت انگیز کرتب دکھایا کرتا تھا اور اس نے اپنی وصیت میں سرکس کے ہاتھیوں اور بندروں سے لے کر کھیلوں اور کھونٹیوں تک کی تقسیم کی تفصیلات لکھ دی تھیں۔ برلن میں ایک عورت نے اپنی وصیت ..... کمر کی جلد پر لکھوائی۔ اس وصیت نامے کے دو سو الفاظ تھے۔

آسٹریلیا میں ایک شخص فرانسس نے وصیت نامے میں اپنی بیوی کے لئے صرف ایک شلنگ چھوڑا تھا تاکہ وہ اس سے بس کا ٹکٹ خرید کر ایک ساحلی مقام پر جاکر خود کشی کرلے۔ نیو برفسوک میں ہربرٹ شارپ نے اپنا کثیر اثاثہ مونٹ ایلیسں یونیورسٹی کے نام چھوڑا مگر اپنے وصیت نامے میں تاکید کردی کہ اس رقم سے صرف ان طالب علموں کو وظیفے دیئے جائیں جو سگریٹ اور تمباکو نہ پیتے ہوں اس عبارت میں یہ بھی درج تھا کہ جو طالب علم تمباکو نوشی کا بیکار خرچ برداشت کرسکتا ہے اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ اپنی تعلیم کا خرچ بھی خود برداشت کرے۔ سب سے عجیب وغریب وصیت نامہ نائیس کے ایک ڈاکٹر کا تحریر کردہ ہے، جس کے ترکے میں سے آج تک ایک سالانہ وظیفہ نائیس کے اس شہری کو ملتا ہے جس کی ناک سب سے زیادہ سیدھی، کلائیاں سب سے زیادہ چھوٹی اور ہاتھ سب سے زیادہ بڑے ہوں۔ مزید شرط ہے کہ وظیفے کے مستحق شخص کے بال سرخ اور بھنویں سیاہ ہونی چاہئے۔

رابرٹ لوئس سٹیونس کا انتقال بحرالکاہل کے ایک جزیرے میں طویل علالت کے بعد ہوا۔ اس نے وصیت نامے میں لکھا ہے کہ میں اپنی سالگرہ کا دن فلاں لڑکی کے نام ورثے میں چھوڑتا ہوں کیونکہ اس لڑکی کی سالگرہ اتفاق سے کرسمس کے دن پڑتی ہے اور اس طرح اسے شکایت ہے کہ وہ سالگرہ کے تحفوں سے محروم ہوجاتی ہے۔ اگر اس کی سالگرہ کسی اور دن ہوتی تو وہ سالگرہ کے الگ اور کرسمس کے الگ تحفے وصول کرتی متوفی نے مزید لکھا کہ اگر وہ لڑکی میرے اس ورثے سے فائدہ نہ اٹھائے تو میری سالگرہ منانے کا حق صدر امریکہ کو ہوگا۔ لیڈز کے ایک کیمسٹ نے وصیت لکھی کہ اس کا ہزار ڈالر کی مالیت کا ترکہ اس کے بیٹے اور بیٹی کو اس وقت دیا جائے جب ان کی عمریں ۵۰، ۵۰ برس ہوجائیں۔ متوفی کے مطابق انسان سنِ شعور کو ۵۰ برس کے بعد پہنچتا ہے۔

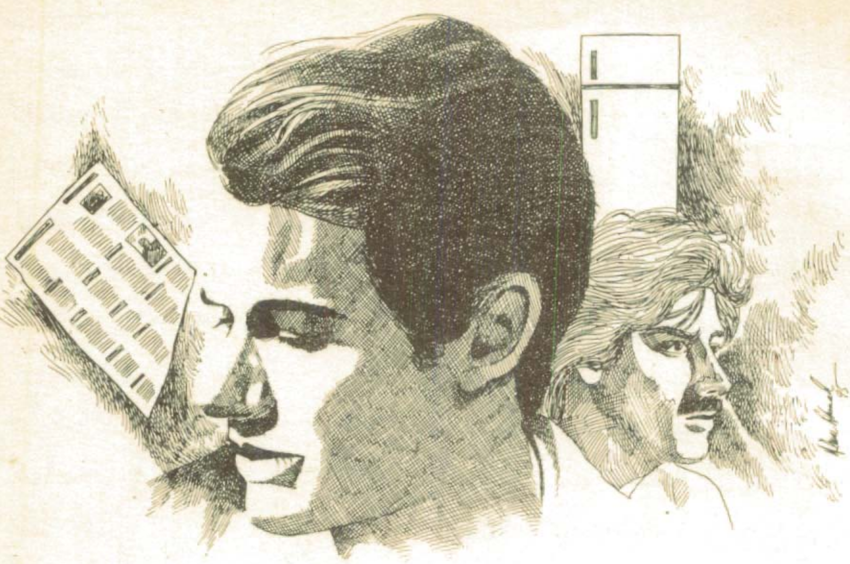

قصہ قرضے کا

فاروق حسن چانڈیو

آج کا تازہ اخبار...... آج کا تازہ اخبار....... سائیکل پر سوار لڑکا چیخ چیخ کر صدائیں لگاتا ہوا میری ہی طرف آرہا تھا۔ اُسے دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ آج پانچ سو روپے والے انعامی بانڈ نکلنے تھے۔ میرے پاس بھی پچھلے ایک سال سے ایک بانڈ پڑا ہوا تھا۔ مگر قسمت نے پچھلی قرعہ اندازیوں میں میرا ساتھ نہیں دیا تھا اس لئے کوئی انعام نہیں نکلا تھا۔ اب کہ سوچا تھا کہ کوئی انعام نکلے یا نہ نکلے اس بانڈ کو فروخت کر دینا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے کچھ چیزیں خریدنی تھیں اور میری بچت صرف وہ پانچ سو کا بانڈ ہی تھا۔ باقی مہینے کی تنخواہ تو ہاتھوں میں آتے ہی مہینے بھر کے دکانوں کے بل ادا کرنے میں پوری ہو جاتی تھی۔ بڑی مشکل سے کچھ روپے کرائے خرچے کے لئے

بچ پاتے تھے۔

میں نے اخبار فروش کے قریب پہنچتے ہی آواز دے کر اس سے اخبار طلب کیا اور جیب میں موجود آخری دس روپے کا نوٹ نکال کر لڑکے کی طرف بڑھا دیا۔ لڑکے نے مشینی انداز میں جلدی سے اخبار اور آٹھ روپے میرے ہاتھ میں تھمائے اور دس کا نوٹ میرے ہاتھ سے جھپٹ کر آگے بڑھ گیا۔اس کا انداز ایسا تھا جیسے اسے خوف ہو کہ میں اخبار خریدنے کا ارادہ ترک نہ کردوں۔ اس کا یہ حال دیکھ کر مجھے اپنا بیٹا طفیل یاد آگیا۔ جو روزانہ دس پیسے کا سکہ جیب خرچہ لے کر فوراً مجھ سے دور بھاگ جاتا تھا کہ واپس نہ چھین لوں۔ اس خیال سے میرے لبوں پر پیار بھری مسکراہٹ بکھر گئی اور کچھ دیر تک اخبار سے خیال ہٹ گیا تھا۔ والدین کے لئے اولاد کی محبت ہی ایسی ہوتی ہے کہ ان کا خیال باقی ہر خیال پر حاوی ہوجاتا ہے۔

کچھ لمحوں کے بعد مجھے یاد آیا کہ مجھے انعامی بانڈ کے نمبر دیکھنے ہیں۔ تب میں قریب پارک کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر جیب سے جیبی ڈائری نکالی اور اس میں وہ صفحہ کھولا جس پر بانڈ کا نمبر لکھ رکھا تھا۔ پھر اخبار کا وہ صفحہ کھولا جس پر نمبروں کی لسٹ چھپی تھی۔ ایک نمبر پر نظر پڑتے ہی غیرارادی طور پر میرے منہ سے نعرہ بلند ہوا۔

"ہرے.........!"میرا ایک لاکھ کا انعام جو نکلا تھا۔ مجھ غریب کے لئے وہ ایسی خوشی تھی کہ تقریباً پاگل سا ہوگیا تھا اور آس پاس موجود لوگوں کا خیال کئے بغیر اٹھ کر ناچنا شروع کردیا۔

"نہیں چلے گا....... نہیں چلے گا..........یہ ڈھونگ ادھر نہیں چلے گا.......یہ میرا علاقہ ہے۔" کچھ ہی دیر بعد کسی نے پیچھے سے پیٹھ پر دھپ جماتے ہوئے کہا۔ میں نے جھٹکے سے مڑ کر دیکھا۔ وہ ایک مٹی اور دھول سے اٹا ہوا نیم عریاں شخص تھا۔ جس کے منہ سے رال بھی بہہ رہی تھی۔ میں نے غصے سے پوچھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا........؟"

"مطلب یہ کہ میں تم کو یہاں پاگل کا ڈھونگ رچا کر بھیک مانگنے نہیں دوں گا........یہ علاقہ تمّو دادا سے میں نے ٹھیکے پر لے رکھا ہے........ تم کوئی اور علاقہ تلاش کرو....."

میں جلد ہی اس کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ خود پاگل کا ڈھونگ رچا کر وہاں بھیک مانگتا تھا۔ اور مجھے بھی اپنے جیسا بہروپیا بھکاری سمجھ کر بھگانے آگیا تھا۔ میں دل ہی دل میں شرمندہ سا ہوگیا کہ خوشی سے بے قابو ہو کر پاگلوں کی سی حرکتیں کر بیٹھا تھا۔ اس لئے بہروپئے سے مزید کوئی بات کئے بغیر وہاں سے چل پڑا میرا رخ اپنے آفس کے بجائے گھر کی طرف تھا۔ تاکہ گھر جاکر یہ خوشخبری

سناؤں۔ گھر پہنچ کر پھر خوشی سے ناچنے کو جی چاہ رہا تھا، لیکن بچوں کے سامنے ایسا کرنا نامناسب سمجھ کر صرف پُرجوش آواز میں بیوی کو یہ خوشخبری سنائی۔ بس پھر تو جیسے گھر میں عید آ گئی۔ بیوی نے خوشی سے جھوم کر ٹرنک سے تقریباً" ڈیڑھ سو روپے نکال لئے جو کہ اس نے کسی نہ کسی طرح بچا کر رکھے ہوئے تھے اور مجھے پتہ لگنے نہیں دیا تھا۔ اس نے ان پیسوں میں سے پچاس روپے نکال کر مجھے مٹھائی لانے کو کہا۔ پورے محلے میں مٹھائی بانٹی گئی۔ ہم کو ڈھیروں مبارکبادیں ملنے لگیں۔ ایسے لوگ بھی مبارک باد دینے آئے جو ہماری غربت کی وجہ سے ہم سے میل جول رکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

میں دوسرے دن ایک پڑوسی کو ساتھ لے کر اسٹیٹ بینک گیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ بانڈ جمع کرانے کے پندرہ دن جانچ پڑتال کے بعد رقم ملے گی۔ بانڈ جمع کر کے اس کی باقاعدہ رسید دی گئی۔

اب محلے کی خواتین میری بیوی کو اور مرد مجھے مشورے دینے لگے کہ اس ایک لاکھ کی رقم سے کیا کیا کچھ خریدنا چاہئے۔ ان مشوروں میں ٹی وی، واشنگ مشین، موٹر سائیکل اور فرج جیسی چیزیں سرفہرست تھیں۔ ساتھ ہی خواتین نے میری بیوی کو نت نئے ڈیزائن کے زیورات خریدنے کا مشورہ بھی دیا تھا۔ یوں صلاح مشوروں سے ہم نے خریداری کی جو لسٹ بنائی تھی اس میں کم و بیش پچاس ہزار روپے خرچ ہونے تھے۔

ابھی رقم ملنے کی تاریخ میں سات دن باقی تھے کہ بیوی نے کہا کہ کل جا کر فریج لے آؤ......... میں نے اسے یاد دلایا کہ رقم ملنے میں ابھی سات دن باقی ہیں۔ یہ سن کر بیوی نے مسکرا کر بتایا کہ اس نے ایک پڑوسی عورت سے سات دن تک کے لئے ادھار رقم لے لی ہے۔ یہ سن کر میں خوش ہو گیا کہ سات دن پہلے ہی ایک آسائش میسّر آ رہی ہے۔

دوسرے دن میں اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر فریج خریدنے کے لئے الیکٹرونک مارکیٹ کی طرف چل پڑا۔ مارکیٹ کے قریب پہنچ کر ایک شخص پر نظر پڑتے ہی ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ اس شخص سے کبھی میرے گہرے مراسم رہے ہیں مگر کب.....؟ یہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ حالانکہ یہ کوئی خاص بات نہیں تھی مگر جی چاہ رہا تھا کہ یاد کروں کہ وہ کون شخص ہے اور اس سے کب اور کیسے مراسم رہے ہیں۔ میری نظر مسلسل اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ چائے کے خالی برتنوں سے بھری ہوئی ٹرے اٹھائے چلا جا رہا تھا۔ لباس سے بیرا لگ رہا تھا۔ کچھ ہی دور جا کر وہ ایک ریسٹورنٹ میں گھس گیا۔ میں بھی غیرارادی طور پر اس کی طرف چل پڑا۔ اور ریسٹورنٹ میں داخل ہو کر

ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر گزری ہوگی کہ اس شخص کی نظر مجھ پر پڑی اور مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ بھی مجھے پہچاننے کی کوشش کررہا ہے۔ وہ کچھ دیر تک گھورتے رہنے کے بعد میری طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر سلام کرنے کے بعد کہا۔ "معاف کرنا صاحب مجھے لگ رہا کہ آپ میرے ساتھ گورنمنٹ اسکول میں پڑھتے تھے۔ کیا آپ......." ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ مجھے یاد آگیا کہ وہ میرا کلاس فیلو ظہور ہے۔ میں نے کھڑے ہوکر پرجوش آواز میں کہا۔ "ارے ظہور.....یہ.....یہ تم ہو......" میں نے اتنا کہا اور اس سے لپٹ پڑا۔

ظہور گورنمنٹ اسکول کا ذہین ترین طالب علم تھا۔ وہ جماعت میں اول پوزیشن سے پاس ہوتا تھا۔ ساتویں جماعت کے امتحان میں بھی اس نے اول پوزیشن حاصل کی تھی۔ اور رزلٹ کے دوسرے دن معلوم ہوا تھا کہ ظہور اسکول سے واپس گھر نہیں پہنچا تھا۔ اس کا گھر اسکول کے قریب ہی تھا اس لئے لڑکے اکثر اوقات وہاں جاکر ظہور کے متعلق معلوم کرتے تھے مگر وہ مسلسل لاپتہ تھا۔ میٹرک کے بعد تو سب کلاس فیلو بچھڑ گئے تھے۔ میں چونکہ غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے آگے نہیں پڑھ سکا تھا۔ بھاگ دوڑ کرکے ایک جگہ کلرک کی نوکری حاصل کرلی تھی۔ یوں میں عملی زندگی کے جھمیلوں میں پڑ کر سب کچھ بھول گیا تھا۔ اب اچانک اپنے گم شدہ کلاس فیلو ظہور سے اس حال میں ملاقات ہوگئی تھی۔

ظہور میرے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا تو میں نے بڑی بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً ہی اس سے پوچھا کہ وہ اچانک کہاں غائب ہوگیا تھا۔ میرا سوال سن کر وہ چند لمحے چپ رہ کر کچھ سوچنے لگا پھر کہا۔ "چھوڑو یار اس قصے کو پھر کبھی بتاؤں گا۔ تم اپنی سناؤ......بتاؤ آج کل کیا کررہے ہو.......؟ کہاں رہ رہے ہو.....؟"

میرا جی تو چاہتا تھا کہ پہلے اس کا قصہ سن لوں مگر میں نے محسوس کرلیا تھا کہ وہ کسی وجہ سے بتانا نہیں چاہتا۔ اس لئے اپنی بات پر زور نہیں دیا اور اس نے اپنے متعلق تفصیل سے بتانا شروع کیا۔ ابھی چند باتیں ہی کیں تھیں کہ ظہور نے کہا یار ایک منٹ! میں سیٹھ سے مل کر آتا ہوں۔ یہ بول کر وہ اٹھ کر چلا گیا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ ظہور وہاں نوکر ہے اس لئے اس کا زیادہ وقت لینا مناسب نہ ہوگا۔ لہٰذا اس کے واپس آتے ہی رخصت ہوجانا چاہئے۔ وہ تھوڑی ہی دیر بعد دو پلیٹوں میں پیسٹریاں اور پیٹس بھر کر لوٹ آیا۔ تب میں نے اس سے کہا۔ "یار ظہور تمہارا سیٹھ

ناراض نہ ہو اس لئے تم جاکر کام کرو۔ میں پھر تم سے ملنے کبھی آؤں گا یا پھر تم ہی میرے گھر آجانا......؟"

"نہیں....... نہیں...... بے فکر ہو کر بیٹھو...... میری ڈیوٹی کا وقت ختم ہو چکا ہے۔"

اس کی بات سن کر مجھے اطمینان ہو گیا اور اس کی لائی ہوئی چیزیں کھانے کے ساتھ اسے اپنے متعلق بتانا شروع کیا۔ آخر میں اسے بانڈ نکلنے سے لے کر اس وقت فریج خریدنے کے ارادے تک سب کچھ بتادیا۔

"مبارک ہو دوست....... مگر میری مانو تو ادھار لئے ہوئے پیسوں سے فریج مت خریدو... جب بانڈ کے پیسے مل جائیں تب ہی خریداری کرنا۔ میں تو یہ بھی مشورہ دوں گا کہ کوئی لمبی چوڑی خریداری کرنے سے بہتر ہے کہ اس رقم سے کوئی کاروبار شروع کرو۔ پھر آہستہ آہستہ اپنے شوق پورے کرتے رہنا۔ تم کو اللہ نے ایک سنہری موقع دیا ہے اس سے فائدہ اٹھا کر کوئی مستقل بہتر آمدنی کا ذریعہ بناؤ......."

"بھئی اب جبکہ فریج کے لئے رقم ادھار لے ہی چکے ہیں تو خریداری میں کیا مضائقہ ہے.....!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"تم یوں نہیں مانو گے۔ تم کو اپنا حال بتا کر ہی قائل کیا جاسکتا ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"دوست تم کو معلوم ہی ہے کہ میں ہر سال اول نمبر سے پاس ہو کر انعام حاصل کرتا تھا یعنی ہر سال مجھے پچاس روپے ملتے تھے۔ جن سے خوب چیزیں خرید کر اپنی سال بھر کی محرومیوں کی کسر پوری کرلیا کرتا تھا۔

مگر ساتویں جماعت کا امتحان دینے کے بعد رزلٹ تک چیزوں کے لئے صبر نہیں ہو پا رہا تھا۔ والدین تو انتہائی غربت کی وجہ سے جیب خرچ دیتے نہیں تھے۔ اس لئے سوچا کہ کیوں نہ رزلٹ آنے تک اپنے ہم جماعتوں سے ادھار پیسے لے لے کر چیزیں کھائی جائیں۔ ویسے ہی مجھے اچھے پیپر ہو جانے کی وجہ سے یقین تھا کہ اول نمبر میرا ہی ہو گا۔ اور حسب روایت پچاس روپے بھی ملیں گے۔ یہ سوچ کر میں نے مختلف لڑکوں سے دو دو تین تین روپے ادھار لینا شروع کردیے اور مزے لے لے کر چیزیں کھانا شروع کردیں۔ یوں رزلٹ والے دن تک پینتالیس روپے ادھار لے چکا تھا۔ مگر رزلٹ والے دن تو تمہیں پتہ ہی ہے کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اعلان کیا تھا کہ اس دفعہ انعامات نقد رقم کے بجائے کورس کی کتابوں اور کاپیوں کی صورت میں دیئے جائیں گے۔ یوں میں اول تو آگیا مگر نقد انعام کے بجائے کتابیں اور کاپیاں دی گئیں۔ جبکہ پچاس روپے انعام کی

توقع پر میں اپنی اوقات سے زیادہ مقروض ہوچکا تھا۔ میں انتہائی خوف زدہ ہوگیا کہ اب قرضہ کس طرح اتاروں گا۔ کم عمری کی وجہ سے والدین کو حقیقت بتاکر رقم مانگتے ہوئے بھی خوف محسوس ہو رہا تھا کہ بجائے وہ رقم دینے کے پٹائی کریں گے۔ لڑکوں سے بھی خوف آرہا تھا کہ قرضہ واپس نہ ملنے پر لڑیں گے اور اساتذہ سے شکایت کریں گے۔ اس خوف کی وجہ سے میرا دماغ ماؤف ہوگیا اور سوچا کہ اس شہر سے بھاگ کر کہیں اور جاکر مزدوری کرکے پیسے کماؤں پھر واپس آکر قرضہ اتار لوں گا۔ یہ سوچ کر میں نے اسکول کے قریب دوکان پر بستہ رکھوایا، اور کہا کہ کچھ دیر بعد اٹھا لوں گا۔ اس کے بعد میں ریلوے اسٹیشن چلا گیا اور حیدر آباد جانے کے ارادے سے بغیر ٹکٹ ایک ریل گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی کراچی سے کچھ ہی دور نکلی تھی کہ ایک شخص نے میرے پاس پہنچ کر کہا کہ وہ اسپیشل پولیس کا آفیسر ہے اور اس نے مجھے پہچان لیا ہے کہ میں گھر سے بھاگا ہوا ہوں۔ اس کی بات سن کر میں خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔ ساتھ ہی ہکلاتے ہوئے کہا۔ ”میں گھر سے بھاگا ہوا نہیں ہوں۔“ تب اس نے مجھے ٹکٹ دکھانے کا کہا۔ میرا حوصلہ ہی جواب دے گیا۔ اور رونا شروع کردیا۔ میرا رونا سن کر اس شخص نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دی کہ وہ مجھے گرفتار نہیں کرے گا۔ بلکہ حیدر آباد پہنچ کر واپسی کا کرایہ دے کر بھیج دے گا۔ میں اس کی تسلیوں سے مطمئن ہوگیا۔ حیدر آباد پہنچ کر اس نے کہا کہ پہلے اس کے گھر سے کھانا کھالوں۔ اس نے بتایا کہ گھر قریب ہی ہے۔ مجھے شدید بھوک لگی ہوئی تھی اس لئے خوش ہوکر اس کے ساتھ چل پڑا۔ اس کے گھر پہنچ کر میرے چودہ طبق روشن ہوگئے۔ وہ دراصل اسپیشل پولیس کا افسر نہیں، بچوں کو اغوا کرکے بیگار لینے والوں کو فروخت کرتا تھا۔ اس نے مجھے بھی فروخت کردیا۔ میری چیخ و پکار پر انہوں نے ایک دوائی سنگھا کر بے ہوش کردیا۔ مجھے ہوش آیا تو خود کو ایک خیمے میں پایا۔ وہاں اور بھی میری عمر کے بہت سے لڑکے تھے۔ چار بھیانک صورتوں والے رائفل بردار بھی تھے۔ وہ سب لڑکوں کو ڈرا رہے تھے کہ کسی نے بھاگنے کی کوشش کی تو گولیوں سے بھون دیں گے۔ مجھ سمیت سب ہی بے بسی کے آنسو بہاتے رہے۔ دوسرے دن ہم کو ایسی جگہ لے جایا گیا جہاں ایک بہت بڑی سڑک بن رہی تھی۔ اس سڑک کا ٹھیکہ اس سیٹھ کا تھا جس نے مجھے خریدا تھا۔ وہاں مجھے اور اغوا کئے ہوئے لڑکوں کو کام پر لگایا گیا۔ بہت سے بڑی عمر کے لوگ بھی تھے۔ وہ بھی اغوا کئے گئے تھے اور سیٹھ کی قید میں پل کر جوان ہوئے تھے۔

تقریباً" پانچ سال تک مختلف جگہوں پر لے جا کر کام کروایا جاتا رہا۔ تب ایک دن کسی طرح پولیس کو معلوم ہوگیا کہ ہم سب اغوا شدہ لوگ ہیں۔ انہوں نے چھاپہ مار کر سب کو آزاد کرالیا۔ اور ہم پر پہرہ دینے والوں کو بھی گرفتار کرلیا۔ سیٹھ وہاں موجود ہی نہیں تھا۔ اس لئے گرفتاری سے بچ گیا تھا۔

میں آزادی پاکر بہت خوش خوش واپس کراچی پہنچا اور اپنے گھر چلا گیا۔ مگر وہاں پہنچ کر خوشی ہوا ہوگئی۔ میری والدہ میرے غم میں رو رو کر ایک سال قبل انتقال کرچکی تھیں۔ والد زندہ تو تھے مگر ان کا بھی بہت بُرا حال تھا۔ وہ مجھ سے لپٹ کر بہت روئے۔ میں بھی والدہ کی موت کے غم اور ندامت کے مارے بہت رویا اور گڑگڑایا والد سے معافیاں مانگیں۔ اس دن کی بعد سے میں یہ محنت مزدوری کرکے گزارہ کرتا ہوں۔ میرے دوست اس طرح میں متوقع آمدنی کے آسرے میں برباد ہوا۔" آخری جملے بولتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے تھے۔ تب میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ہمدردی کے بول بول کر صبر کی تلقین کی۔

اس کی کہانی نے مجھے بہت متاثر کیا تھا اور بہت بڑا سبق ملا تھا کہ کسی توقع پر قرضہ نہیں لینا چاہئے چاہے توقع یقینی ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے

لہسن

زمانہ قدیم میں رومی لشکر جب کسی جنگی مہم پر جاتے تو فوجیوں کو جوش دلانے کے لئے لہسن کھلایا جاتا تھا۔

بکری کا بچہ

پانچ دسمبر ۱۹۵۰ء کو بریلی بھارت کے صدر بازار میں بکری کا ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جس کا چہرہ گول تھا۔ اس کے دو سر اور چار آنکھیں، اور دو کان تھے۔ یہ بچہ نیچے والے منہ سے دودھ پیتا تھا۔

مرسلہ۔ محمد اختر سوار، کسووال۔

ظہور کو بھی اپنا فیصلہ بتایا اور فریج خریدے بغیر گھر چلا گیا۔ مجھے خالی ہاتھ دیکھ کر بیوی ناراض ہوگئی مگر جب ظہور کی کہانی اور مشورہ سنا تو وہ بھی متاثر ہوکر مطمئن ہوگئی۔ اور کہا کہ خدانخواستہ کہیں کوئی گڑبڑ ہوجائے اور ہم کو پیسے ہی نہ ملے تو بڑی مشکل میں پھنس جائیں گے۔ اس نے اس بات سے بھی اتفاق کیا کہ لمبی چوڑی خریداری کے بجائے جب پیسے مل جائیں تو کوئی کاروبار شروع کرنا چاہئے۔

اللہ کے کرم سے کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی اور ایک ہفتے بعد ایک لاکھ روپے مل گئے اور میں نے ایک ریسٹورنٹ کھول لیا اور وہاں پر ظہور کو مینجر رکھ لیا۔ اس کاروبار میں اتنی ترقی ہوئی کہ آج میں ایک فیکٹری کا مالک ہوں۔

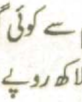

کھلنڈرے کی غزل

ضیغم حمیدی

بڑھے جب نقل کا رجحاں تو خوف امتحاں کیوں ہو
چلے جب فلم ٹی وی پر تو پڑھنے پر دھیاں کیوں ہو

برا ہوں میں اگر تو کون سے سب لوگ اچھے ہیں
تو پھر ہر ایک لب پر صرف میری داستاں کیوں ہو

ملے پڑھ لکھ کے بھی ہم کو نہ جب اک نوکری اچھی
ہمارے قیمتی اوقات کا آخر زیاں کیوں ہو

مجھے کھیلوں سے دلچسپی پڑھانے پر بضد ڈیڈی
جہاں بھر میں فقط مشہور اک عمران خاں کیوں ہو

نصابی سب کتابیں بور ہیں' عمدہ رسالے ہیں
توجہ پھر میری ان پر بتاؤ میری جاں! کیوں ہو

مرا ہر دوست مجھ سے پوچھتا ہے آج کل ضیغم
زمانہ اس قدر چالاک تم "بدھو میاں" کیوں ہو

انعامی لطیفہ

استاد (شاگرد سے) مرغے اور مرغی میں کیا فرق ہے؟

شاگرد (جلدی سے) مرغا سویرے اٹھتا ہے جبکہ مرغی دن چڑھے تک سوتی رہتی ہے۔

مرسلہ : نوشابہ اکرم، رحیم یار خاں

امی : اف! کتنی خراب رپورٹ ہے، انگریزی خراب، اردو خراب، حساب خراب، معاشرتی علوم خراب۔ حد ہو گئی کچھ بھی تو صحیح نہیں :

بیٹا : امی! آپ خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہیں آگے بھی تو پڑھیں، لکھا ہے چال چلن اور صحت بہت اچھی ہے۔

مرسلہ : ایم آر ایم اے، گھانچی۔

☆.....☆.....☆

ملازم، مالک سے : جناب! ڈاکٹر صاحب تشریف لائے ہیں۔

مالک، غصے سے : تمہیں پتہ نہیں ہماری طبیعت ناساز ہے ہم کسی سے نہیں مل سکتے

مرسلہ : ایم آر ایم اے گھانچی۔

☆.....☆.....☆

ایک شخص ڈاک خانے گیا اور پوسٹ مین سے کہا : اگر میرے نام کوئی خط ہو تو دے دو۔

پوسٹ مین : آپ کا نام؟

وہ آدمی بولا : عجیب بے وقوف ہیں آپ۔ بھئی

لفافے پر میرا نام درج ہوگا۔

مرسلہ : ایم آر ایم اے، گھانچی۔

☆.....☆.....☆

استاد شاگرد سے : لفظ معمولی کو جملے میں استعمال کرو۔

شاگرد : رشید کی ماں مولی بہت شوق سے کھاتی ہے۔

مرسلہ : ایم آر ایم اے، گھانچی۔

☆.....☆.....☆

ٹرین پوری رفتار سے جارہی تھی کہ ایک بوڑھی عورت نے جلدی سے زنجیر کھینچی۔ گاڑی کھڑی ہوگئی تو گارڈ نے آکر پوچھا کہ کیا وجہ ہے۔

بوڑھی عورت بولی بیٹا : گاڑی آہستہ چلاؤ کہیں میرے انڈے نہ ٹوٹ جائیں۔

مرسلہ : سہیل اصغر راجا، موہری شریف

☆.....☆.....☆

ایک گاڑی عین پل پر خراب ہوگئی جس کی وجہ سے تمام ٹریفک بند ہوگئی گاڑی پر لکھا تھا "نام بھی اعلیٰ کام بھی اعلیٰ"

مرسلہ : حسنین عباس، جھنگ

☆.....☆.....☆

استغاثہ : یہ جرم ایک ذہین اور چالاک آدمی کا کارنامہ ہے اسے بہت محنت، منصوبہ بندی سے سرانجام دیا گیا ہے۔

ملزم : اس سے کام نہیں چلے گا جناب! آپ کتنی بھی تعریف کرلیں میں اعتراف نہیں کروں گا۔

مرسلہ : سبطین نقوی، ملتان

☆.....☆.....☆

ایک صاحب ماہر فلکیات تھے۔ ایک رات وہ دوربین آنکھوں سے لگائے تاروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے چوکیدار نے آسمان پر ایک ستارے کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا تو فوراً بولا۔ "واہ صاحب! کیا نشانہ ہے۔"

مرسلہ : سبطین نقوی، ملتان

☆.....☆.....☆

شاہ ایڈورڈ نے اپنی ولی عہدی کے زمانے میں اپنی والدہ ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھ کر "۱۰" پونڈ طلب کئے جواب میں ملکہ نے کفایت شعاری کی نصیحت سے بھرا خط روانہ کردیا۔ دوسرے ہی روز ملکہ کو جواب موصول ہوا، لکھا تھا کہ "آپ کا خط موصول ہوا، اب مجھے "۱۰ پونڈ" کی ضرورت نہیں کیونکہ میں نے آپ کا خط "۲۵ پونڈ" میں بیچ دیا ہے۔"

مرسلہ : صدف خان، ہری پور

☆.....☆.....☆

ایک پولیس انسپکٹر نے ایک کمسن لڑکے کو ایک گھر کے سامنے کھیلتے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ بیٹا

تمہارے ابو کہاں ہیں۔
لڑکا بولا، گھر پر ہی ہیں۔
پولیس انسپکٹر کافی دیر دروازہ کھٹکھٹاتا رہا مگر کوئی آدمی باہر نہ آیا تو اس نے لڑکے سے پوچھا تم تو کہتے تھے کہ میرے ابو گھر پر ہیں یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔
لڑکا بولا : مگر یہ گھر میرا تو نہیں ہے۔
مرسلہ : عبداللطیف قریشی، ضلع راولپنڈی
☆.....☆.....☆
امریکہ کے چند نامور سائنس دانوں نے ایک ایسی سلاخ تیار کی جو صرف خوردبین کے ذریعے نظر آتی تھی۔ انہوں نے یہ سلاخ جاپان بھجوائی تاکہ وہاں کے ماہرین اس کے بارے میں اپنی رائے دے سکیں۔ یہ سلاخ ٦ ماہ بعد جاپان سے آگئی۔جب امریکی ماہرین نے اس کا مطالعہ کیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں سوراخ ہوچکا تھا۔ پھر انہوں نے اس سلاخ کو یہ سوچ کر پاکستان بھیجا کہ دیکھو وہاں کے ماہرین اس کے بارے میں کیا رائے دیتے ہیں۔ سلاخ ایک ہفتہ میں واپس آگئی۔ جب ماہرین نے اس کا معائنہ کیا تو وہ سب بے ہوش ہوگئے۔ ایک سائنس دان کو بڑی مشکلوں سے ہوش میں لایا گیا اور پوچھا گیا کہ تم نے سلاخ میں کیا دیکھا؟ ماہر یہ کہتا ہوا بے ہوش ہوگیا کہ انہوں نے سلاخ پر (Made in Pakistan) لکھ دیا ہے۔
مرسلہ : حسین مرزا، کراچی
☆.....☆.....☆
ایک سکھ کو لاہور سے کراچی جانا تھا۔ اسٹیشن پر پہنچا، ٹکٹ خریدا اور پلیٹ فارم پر چلا گیا۔ اس وقت راولپنڈی جانے والی گاڑی کھڑی تھی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ گاڑی میں چڑھ کر بیٹھ گیا۔ جب گاڑی چلی تو اس کی نظر برتھ پر بیٹھے آدمی پر پڑی۔ سکھ نے اس سے پوچھا۔ "کیوں جناب" کہاں جارہے ہیں آپ؟"
"پنڈی" اس شخص نے جواب دیا۔
"واہ بھئی! سائنس نے بڑی ترقی کی ہے،اوپر والے پنڈی جارہے ہیں اور نیچے والے کراچی"، سکھ بولا۔
مرسلہ : محمدی عدنان شاہد
☆.....☆.....☆
ملا نصیر الدین نے ایک مرتبہ ایک جھیل میں کچھ مرغابیوں کو تیرتے دیکھا۔ بعض مرغابیاں جھیل کے کنارے پانی میں اٹھکھیلیاں کررہی تھیں۔ ملا کو لالچ آیا۔ انہوں نے چاہا کہ ایک مرغابی کو چپکے سے پکڑلیں۔ لیکن جونہی انہوں نے جھپٹا مارا تمام مرغابیاں اڑگئیں اور یہ ہاتھ ملتے رہ گئے۔ اب انہوں نے اپنے ناشتے دان سے روٹی نکالی اور جھیل کے پانی میں ڈبو ڈبو کے

کھانے لگے۔ وہاں کھڑے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے پوچھ لیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ملا نے جواب دیا کہ "مرغابی کے شوربے سے روٹی کھا رہا ہوں۔"

مرسلہ : نوید صادق، ڈی آئی خان

☆.....☆.....☆

تاج محل دیکھنے والے سیاح کو بتایا گیا کہ یہ عمارت سینکڑوں سال سے جوں کی توں ہے۔ آج تک کبھی اس کے ایک پتھر کو بھی نہیں چھوا گیا۔ یہاں کوئی چیز توڑی گئی نہ بدلی گئی۔ کبھی بھی اس کی مرمت نہیں ہوئی۔

یہاں کبھی صفائی کی ضرورت نہیں پیش آتی۔

سیاح نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس کا مالک بھی ہمارے مالک مکان سے مختلف نہیں۔"

مرسلہ : حمیرا ناز، لاہور

☆..........☆..........☆

ملا نصرالدین اپنے بیٹے کے ساتھ جا رہے تھے کہ ایک جنازہ ان کے سامنے سے گزرا۔

ان کے بیٹے نے جنازہ دیکھا تو ملا نصرالدین سے پوچھا۔

"بابا! یہ لوگ کندھوں پر کیا اٹھائے لئے جا رہے ہیں؟"

ملا نے جواب دیا۔

"آدمی۔"

بیٹے نے پوچھا۔

"یہ لوگ اسے کہاں لئے جا رہے ہیں؟"

ملا نے جواب دیا۔

"یہ لوگ اسے ایسی جگہ لے جا رہے ہیں جہاں کھانے کی کوئی چیز ہے نہ پینے کی، نہ وہاں آگ ہے نہ لکڑی۔ نہ سونا نہ چاندی، نہ پلنگ ہے نہ بستر---"

بیٹے نے یہ سنا تو معصومیت سے پوچھا۔

"کیا یہ لوگ اسے ہمارے گھر لے جا رہے ہیں؟"

مرسلہ : حارث بن صغیر، کوٹ ادو

☆..........☆..........☆

ایک درزی محلے والوں کے کپڑے لے کر فرار ہو گیا۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو افسوس کرنے لگے۔ ایک دن ایک سردار جی درزی کی دکان کے سامنے کھڑے رو رہے تھے۔

ایک شخص نے پوچھا۔

"تمہاری کیا چیز لے گیا ہے؟

وہ بولا۔

"کم بخت میرا ناپ لے گیا ہے۔"

مرسلہ : آصف پٹیل، حیدر آباد دکن

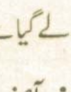

شربت نورس انتہائی کاوش، جدید ترین مشینری کی مدد اور ماہرین کی انتھک کوششوں کو یکجا کر کے سائنٹیفک اصولوں کے تحت تکمیل کو پہنچتا ہے۔ نورس کا ذائقہ ہی اس کی خوبی نہیں بلکہ اس کا ایک ایک گھونٹ مفرح اور صحت بخش ہے۔ اسے دودھ، آئس کریم، کسٹرڈ اور قلفی میں استعمال کرنے سے لذت دوبالا ہو جاتی ہے اور موسم برسات میں تازہ لیموں کے ساتھ نورس فریش لائم موسم کے مضر اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

نورس قومی مشروب

احمد فوڈ انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ڈی-112، نورس روڈ، سائٹ، کراچی 75700
فیکس: 021-25645/0
فون نمبر: 2563520 (5 لائنیں)

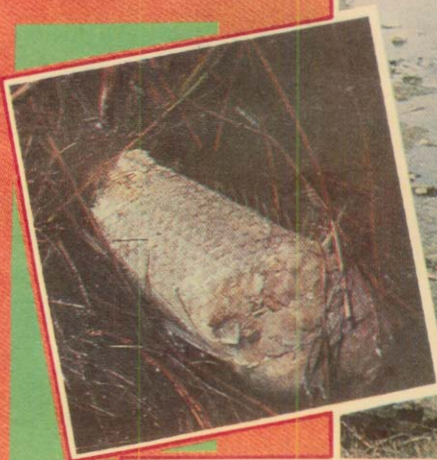

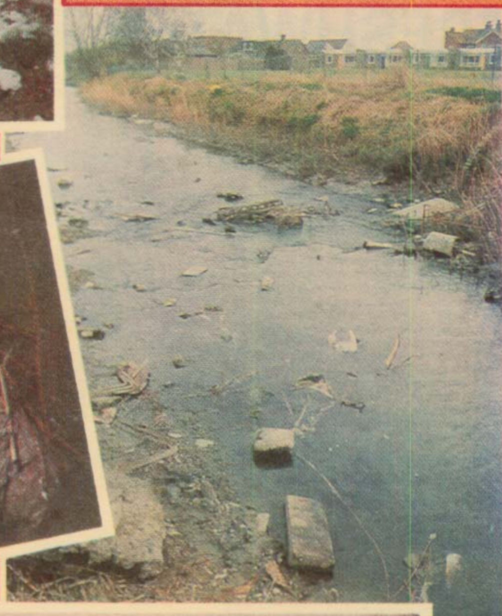

آلودگی کا جن
تازہ پانی میں

نگہت سرور

آج دنیا جن بڑے بڑے مسائل کی وجہ سے حیران و پریشان ہے' اس میں ایک بڑا مسئلہ آلودگی کا ہے۔ فضا میں پائی جانے والی آلودگی کو تو ہر شخص محسوس کرسکتا ہے لیکن پانی کی آلودگی ایک ایسا مسئلہ ہے جو زیادہ تشویش ناک ہوتا جارہا ہے اور جس کے بارے میں ہماری معلومات بے حد کم ہیں۔ پانی میں آلودگی سے کیا مراد ہے؟ اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ پانی آلودہ کس طرح ہوتا ہے؟ یہ اور اسی طرح کے سوالوں کا جواب اس مضمون میں دینے کی کوشش کی جائے گی۔

تازہ پانی میں آلودگی عموماً نظر نہیں آتی ہے۔ کیونکہ آلودہ مواد پانی میں حل ہوجاتے ہیں۔ تاہم بعض اوقات جھاگ' تیل اور غیر حل شدہ کثافت پانی کی سطح پر آجاتی ہے اور آسانی سے دیکھی جاسکتی ہے اور اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ پانی گندہ اور آلودہ ہے۔ اس سلسلے میں آلودگی کو جانچنے کے لئے کیمیائی تجزیہ کیا جاتا ہے۔ اس تجزیہ کے بعد ایک معیار مقرر کیا جاتا ہے جس کے تحت یہ بتایا جاتا ہے کہ پانی میں کتنے فیصد آلودگی ہے۔ اس طرح جانوروں اور پودوں میں آلودگی کے اثرات کو بھی جانچا جاسکتا ہے اور اس کے لئے ایک علیحدہ طریقہ ہے جس کے تحت سائنس داں درجۂ آلودگی کا تعین کرسکتے ہیں۔

آلودگی کی ایک قسم قدرتی ہوتی ہے۔ زمین کے اندر کچھ مختلف مقوی یا طاقت بخش مواد ہوتا ہے جیسے (Nitrates) نائٹریٹس' جو زمین سے اس وقت خارج ہوتی ہے جب گھاس کی کٹائی کا کام کیا جاتا ہے۔ اس طرح المونیم بھی مٹی میں موجود ہوتا ہے۔ کیمیائی تجزیوں کے بعد جب صاف پانی مہیا کیا جاتا ہے تو المونیم خارج ہوتا ہے سیلابی پانی سبزہ زاروں سے گزرتا ہے تو مگنیشیم خارج ہوتا ہے جس سے مچھلیوں کو شدید جانی نقصان ہوتا ہے۔ تاہم آلودگی کا یہ قدرتی طریقہ انسان کی پیدا کردہ آلودگی کے مقابلے میں بہت کم ہوتا ہے۔ ماحول میں کیمیائی اجزا کا ایک بڑا بہاؤ کسانوں کی وجہ سے آتا ہے جو صاف پانی کے بہاؤ کو آلودگی کا باعث بنتا ہے اور کیمیائی اجزا میں جڑی بوٹیاں' کیڑوں کو مارنے والی ادویات' پھپوندی اور فضلات وغیرہ شامل ہیں یہ تمام اجزا یکجا ہو کر مزید ۴۵۰ حرکت پذیر اجزا بناتے ہیں جو

(Bio-Cides) کہلاتے ہیں۔ کسان فصل کی پیداوار بڑھانے کے لئے زمینوں پر فاسفیٹ (Phosphates) اور نائٹریٹس (Nitrates) کا استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچروں کے ڈھیر اور مرغی خانوں سے نمایاں طور پر ایک زہر آلود مواد کا اخراج ہوتا ہے۔ کھیتی باڑی کے دوران استعمال کی جانے والی ادویات مثلاً جراثیم کش ادویات (Antibiotics) ہارمونز اور پیداوار بڑھانے والی دیگر ادویات یکجا ہوکر متعدی جراثیم پھیلاتے ہیں۔ پینے کے پانی کو جب ایک کیمیائی عمل کے ذریعہ صاف کیا جاتا ہے تو کچھ کیمیائی اجزا پانی میں رہ جاتے ہیں ان میں ایک (Trihal om ethane) ہے یہ کیمیائی مرکب کینسر کا موجب سمجھا جاتا ہے۔ یہ پانی کی کیمیائی پیائش کے دوران منفی پیداوار کا باعث بجھا جاتا ہے۔ پانی کی صفائی کے لئے (Aluminium Sulphate) المونیم سلفیٹ کا استعمال ۱۹۸۸ء میں کیا گیا اور اس کے استعمال کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ اس سے بڑے پیانے پر بیماریوں کے پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ صنعتیں بھی آلودگی کا موجب سمجھی جاتی ہیں خاص طور پر صنعتوں میں بننے والی بھاری دھاتیں آلودگی کا باعث بنتی ہیں جیسے (Lead' Cadmium) یا سیسہ اور (Zinc) جست۔ تیزابیت بھی آلودگی کا باعث سمجھی جاتی ہے۔ تیزابیت زمین میں دبا ہوا ایندھن جلنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ تیزابیت صاف پانی کو آلودہ کرتی ہے۔

تازہ پانی میں آلودہ مواد کس طرح داخل ہوتے ہیں؟

تازہ پانی میں آلودہ مواد داخل ہونے کے بہت سے ذرائع ہیں۔ ان میں سے کچھ بالواسطہ اور کچھ بلا واسطہ ہیں۔ آلودگی کا بہت بڑا اور طاقتور ماخذ زراعت ہے۔ انگلینڈ اور ویلز میں ۸۰ فیصد زمینیں اس کا شکار ہیں۔ قابل کاشت زمینوں پر مویشیوں کے فضلات پھیل جاتے ہیں اور ان کی کچھ مقدار تازہ پانی کو آلودگی کا باعث بنادیتی ہے۔ انگلینڈ اور ویلز کے کسان ہر سال ۲۵ لاکھ ٹن نائیٹروجن' فاسفورس اور پوٹاشیئم اپنی زمینوں پر استعمال کرتے ہیں اور ان اجزا پر مشتمل کھاد تازہ پانی میں داخل ہوکر اسے آلودہ کردیتی ہے۔ پانی میں رہنے والے جانداروں کو جانوروں کے فارم سے نکلنے والے گندے مواد سے بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ کیونکہ ان فارم میں جانوروں کو بیماریوں سے بچانے کے لئے بڑے پیانے پر کیمیائی ادویات استعمال کی جاتی ہیں جو جانداروں کے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں۔

جنگلات میں گندے پانی کی نکاسی کا نظام بھی آلودگی کے پھیلاؤ کا باعث بنتا ہے۔جب جنگل پھل پھول جاتا ہے تو اس میں تیزابیت بڑھ جاتی ہے اور تیز بارشوں کے زمانے میں تیزابیت پانی کے بہاؤ کے ساتھ پھیل جاتی ہے اور جانوروں کی ہلاکت کا باعث بنتی ہے۔ تازہ پانی میں آلودگی بہت نقصان دہ ہوتی ہے اور اس کی دو قسم ہوتی ہیں ایک مخصوص آلودگی جیسے راکھ دھواں گرد وغیرہ اور دوسری گیس جیسے ۔ (Sulphur dioxide) اور (Nitrous - oxide) یہ تمام آلودہ مواد صنعتوں سے اور کاشت کاری کے دوران خارج ہوتے ہیں۔

آلودہ مواد کبھی ٹھوس اور کبھی بہتی ہوئی شکل میں ہوتے ہیں جب کوڑا کرکٹ زمین پر جمع رہتے ہیں تو ان کا کچھ حصہ بارش کی وجہ سے اپنی شکل بدل کر یا بارش میں جذب ہو کر زمین کے اندر موجود پانی میں شامل ہو جاتا ہے اور بالآخر یہ چشموں میں شامل ہو کر دریاؤں میں چلے جاتے ہیں۔ اگر یہ (Waste) بہتی ہوئی شکل میں ہوتے ہیں تو بہت جلد تازہ پانی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ فصلوں پر کئے جانے والے چھڑکاؤ بھی آلودگی کا باعث بن جاتے ہیں۔ ۸۰ فیصد کے قریب چھڑکاؤ فوری طور پر ضائع ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ اپنی مطلوبہ جگہ پر نہیں پہنچتے اور مٹی کے اندر چلے جاتے ہیں۔

آلودگی سے بچاؤ کے قانون پر عمل درآمد کرنا مشکل کام ہے نئی عالمی کاروائی (Pays Polluter) کہنے کو تو بہت عمدہ ہے مگر کارآمد نہیں ہے عالمی ادارۂ صحت نے آلودگی کے معیار مقرر کردیئے ہیں جیسے (Cadmium) ایک لیٹر پانی میں (۸.۸۸۵) ہزار گرام سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ برطانیہ وہ ملک ہے جس نے دریاؤں کی آلودگی کے متعلق قانون وضع کیا ہے۔ ٹیمز کی آلودگی کے سلسلے میں پہلا قانون ۱۱۹۷ء میں کنگ رچرڈ اوّل کے زمانے میں بنایا گیا۔ پانی کے معیاری ہونے کے لئے کچھ ہدایات یورپی برادری نے وضع کی ہیں مگر یورپی ممالک بھی اپنے مقررہ ہدف تک پہنچنے میں سست ہیں مثال کے طور پر ۱۹۹۲ء میں بارہ میں سے نو ارکان نے یہ بیان جاری کیا کہ ان کے علاقے کو فراہم کئے جانے والے پانی میں نائیٹریٹ کی مقدار زیادہ ہے۔ نئے قانون کے تحت یوروپی برادری کے تمام ارکان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ آلودگی کے خاتمہ کے لئے خصوصی اقدامات کرتے ہوئے شہری اور صنعتی استعمال کے پانی کو آلودگی سے بچائیں اور تمام چشموں اور دریاؤں کو اگلی صدی یعنی ۲۰۰۲ء تک آلودگی سے پاک کردیں۔

مزید محنت کی ضرورت ہے

ناقابل اشاعت تحریروں کا کالم

"وقت کی قدر" "ذمہ دار کون" سلمان مراد، کراچی۔ "بسم اللہ کی برکت" اویس انیس، راجن پور۔ "ایک ستارہ" محمد اعظم(؟)" "نہلے پہ دہلا" ہما شریف، کراچی۔ "بوعلی سینا" امجد علی بلوچ، پنجگور۔ "فریبی مسخرے" سہیل کامران، کراچی۔ "دوست کی تلاش" وفا قربان علی سمون، شہداد پور۔ "فیوچر کمپیوٹر کا" عرفان محمد حسین، کراچی۔ "قیمتی تحفہ" "بہت دیر کی" عمرانہ جبیں، کراچی۔ "ایجاد" عظیم اختر میمن، میرپور خاص۔ "خلائی بچہ" شیر محمد رحمانی، نواب شاہ۔ "عقلمند مرغ" طاہر ناز انصاری، جہلم۔ "معجزات نبیؐ" طاسین خان نیازی، خانوالہ۔ "آنکھ مچولی" سلمان مراد، کراچی۔ "گمشدہ براعظم" شیراز طاہر(؟) "تین سوال" عامر علی شاہ، پشاور۔ "پرانی موٹر کار" محمد شبیع الرحمٰن (؟) "بلاعنوان" مصباح فلک بلوچ، ڈیرہ غازی خان۔ "حضرت علی کا انصاف" محمد اویس یونس، حیدر آباد۔ "نقل کرنا بری عادت ہے" "پاکستانی لوگ" سلمان مراد، کراچی۔ "نو نومبر" صائمہ وفا، کراچی۔ "اقبال کی یاد میں" سیدہ کاشفہ خاتون نقوی، کراچی۔ "ماں" ارمعہ جعفر، ڈیرہ شہر۔ "مصیبت" قیصر بشیر، اوکاڑہ۔ "چندن کاہار" قیصر بشیر، اوکاڑہ۔ "ہنر" خرم رشید پراچہ، کراچی۔ "اے وطن" ہمایوں محبوب صدیقی، کراچی۔ "نئی روشنی" قرہ العین جیلانی، پشاور۔ "کام کے وقت کام" درشہوار جارچوی، کراچی۔ "تعلیم ایک نعمت ہے" شریف الدین ساحر، راولپنڈی۔ "گواہ" "قدرت کا انصاف" خرم طارق جگنو، گوجرانوالہ، "ایک ملاقات شیطان کے ساتھ" منیر احمد فردوس، ڈیرہ اسماعیل خان۔ "ہم بنے آرٹسٹ" طارق محمود، راولپنڈی۔ "ہمدردی" محمد یونس حسین، کراچی۔ "نظم" نواب سید مبین الدین، کراچی۔ "برے کام کا برا انجام" عرفان عبدالرزاق(؟) "خراسان کا وزیر جنت میں" سعید انور، پشاور۔ "عرفان محمد حسین، کراچی۔ "بڑھیا کا جھولا" حسین علی آرائیں، اٹک۔ "میں پاس ہوجاؤں گا" سلمان ابصار، رسالپور۔ "لالچ" سید حماد علی شاہ، کراچی۔ "جی چاہ رہا ہے" عنبرین سکندر، کراچی۔ "واہ جناب" "زندگی" محمد عثمان، اٹک۔ "محنت" زید اعوان، کراچی۔ "ہمارا فرض" ذاکر جان، چشمئی۔ "عید تو اس روز ہوگی" حافظ اویس احمد، اوکاڑہ۔ "مستقبل" تنویر حسین، کراچی۔ "ہمارا آنکھ مچولی" "آخری تمنا" عبدالحفیظ، میرپور خاص۔ "رزلٹ" طیب علی، اٹک۔ "ایک ماہی گیر اور دیو" محمد نعیم قریشی، گوجر خان۔ "شہزادی انعم" محمد عاصم، پشاور۔ "پارلیمنٹ کا فیصلہ" حافظ اویس احمد، اوکاڑہ۔ "علم حاصل کرنا فرض نہیں ہے" ثوبیہ اسلم، کراچی۔ "مقابلہ جان اور اولاد کا" منصور احمد مگسی، کندھ کوٹ۔ "ایک عدد کہانی" اظفر اقبال، کراچی۔ "نہ ہونا ہی اچھا" عمیر اقبال خان، کراچی۔ "مغرور جوتا" عبدالجبار منگریو، ہالا۔ "دعا" سعدیہ روف، لاہور۔ "بلاعنوان" ذوالقرنین، صادق آباد۔ "غلطی کی سزا موت" شہاب الدین جوکھیو، لاڑکانہ۔

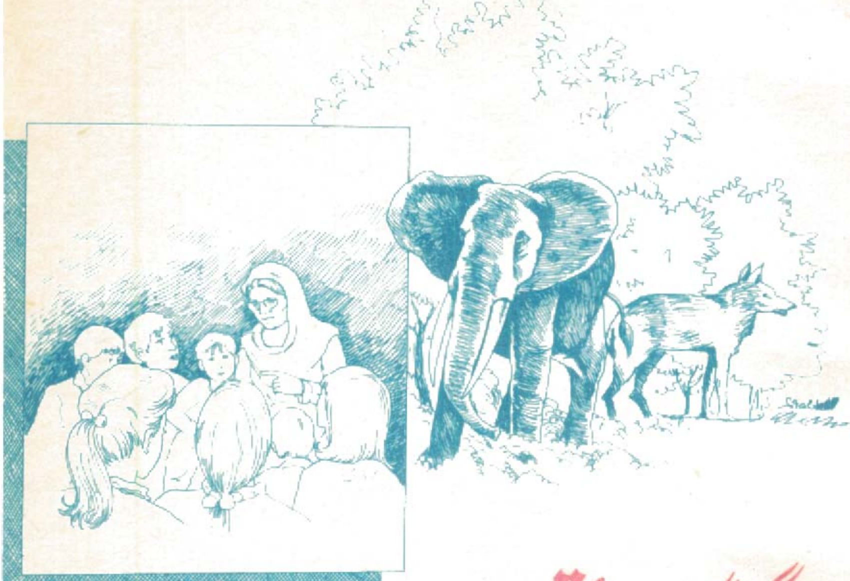

لگڑ بگھا اور ہاتھی

لوگوں سے دور کیوں رہتے ہیں؟

آصف فرخی

ایک بچے میں کرید کی بہت عادت تھی۔ ہر بات پر سوال پوچھتا۔اس نے ایک مرتبہ اپنی دادی اماں سے پوچھا کہ ہاتھی اور لگڑ بگھا لوگوں سے دور کیوں رہتے ہیں۔ بچہ یہ سمجھا کہ ایسا اس وجہ سے ہو گا کہ ہاتھی اتنا بڑا ہے اور اسے گھومنے پھرنے کے لئے کھلی جگھوں کی ضرورت ہوتی ہے۔اور رہا لگڑ بگھا تو وہ راتوں کو باہر نکلتا ہے اور سنسان پگڈنڈیوں پر ٹہلتا ہے۔ اس لئے لوگوں سے دور رہتا ہو گا۔

دادی اماں نے بچے کی بات سن لی۔ انہیں اس کے سوالات کا جواب معلوم تھا کیوں کہ یہ باتیں خود انہوں نے بہت برسوں پہلے سن رکھی تھیں۔اب وہ باتیں انہوں نے بچے کو بتائیں۔

دادی اماں نے کہا کہ بہت دنوں پہلے ایک بڑا سردار تھا۔ اس کے بہت سارے کھیت تھے اور بہت لوگ اس کی زمینوں پر رہا کرتے تھے۔بارش

کے بعد زمین نرم ہو جاتی تو لوگ کھیتوں میں ہل چلانے کے لئے بیلوں کو تیار کرنے لگتے۔ پھر وہ زمین پر ترتیب سے نشان لگاتے اور بستی کے سارے بچے ایک قطار بنا کر چلتے اور ان نشانوں پر بیج ڈالتے جاتے۔ پھر اور بارشیں آتیں اور بارشوں میں نہا کر بیجوں سے پودے نکل آتے اور ہرے بھرے پودوں میں مکئی اور بالیاں لہلہانے لگتیں۔

سردار کی زمینوں کے پاس ایک دریا تھا اور اس دریا کے پار دوسرے لوگ بستے تھے۔ یہ لوگ بھی اپنے کھیتوں میں بڑی محنت کرتے تھے اور کھیت میں بیج بونے کے بعد اس کے گرد لکڑیوں اور کانٹوں کی باڑھ لگا دیتے تھے۔ گائے اور دوسرے جانور اس کھیت میں جانے کا ارادہ بھی نہیں کرتے تھے کیوں کہ ان کو کانٹوں کا خوف تھا۔ باڑھ کے اندر محفوظ پودے بڑے ہو گئے اور وہ لوگ خوش ہونے لگے کہ اب وہ وقت آئے گا کہ ہم بھی مکئی پکائیں گے اور خوب مزے لے لے کر کھائیں گے۔

گاؤں کے لڑکے ان کھیتوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ ایک صبح ایک لڑکے نے دیکھا کہ باڑھ ٹوٹی ہوئی ہے۔ اس نے جا کر دیکھا تو کھیت کا اتنا بُرا حال تھا کہ وہ رو پڑا۔ جہاں پہلے ہرے بھرے پودے لہلہا رہے تھے وہاں ٹوٹے ہوئے پتے اور کچلے ہوئے ڈنٹھل پڑے تھے۔

لڑکے نے گاؤں کے لوگوں سے کہا۔ لڑکے کے باپ نے کھیتوں کا یہ حال دیکھا تو اس کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اب ہم کیا کھائیں گے؟" اس نے کہا۔ "اس سال ہمیں فاقے کرنے پڑیں گے۔" کھیت میں ہر طرف ٹوٹے ہوئے پودے پڑے تھے۔

اسی وقت گاؤں کے لوگوں نے باڑھ دوبارہ سے بنا دی۔ صبح اٹھ کر دیکھا تو باڑھ کو ایک جگہ سے اکھاڑ کر راستہ بنایا ہوا تھا اور اس جانور نے پہلے دن سے بھی زیادہ پودے توڑ توڑ کر کھائے تھے۔ اس دن گاؤں کے سب لوگ روئے۔ سردار کی زمینوں کے ایک اور ٹکڑے میں رہنے والے لوگ بھی پریشان تھے۔ یہ لوگ کدو اگایا کرتے تھے، اور کدو کی بیلیں جہاں اگائی تھیں، اس زمین کے گرد کانٹوں والی باڑھ بنا دی گئی تھی۔ رات کے وقت کسی چالاک جانور نے باڑھ کے نیچے سے زمین کھودی اور زمین کھود کر کدوؤں تک پہنچ گیا، اور بہت سے کدو کھا گیا۔ کچھ کھائے اور کچھ پھینکے اور اتنے دن کی محنت برباد کر گیا۔ وہ لوگ اس لئے پریشان تھے کہ اگر جانور اس طرح گھستا رہا تو ان کی فصل خراب ہو جائے گی۔ یہ لوگ صرف کدو کھاتے تھے، اور اگر کدو کی فصل خراب ہو جائے تو پھر بھوکے

مرجائیں گے۔

جب ان لوگوں نے دریا پار رہنے والے لوگوں کی مصیبت کا حال سنا، تو کدو اگانے والے لوگ دریا پار کر کے اور فاصلہ طے کر کے ان کے پاس گئے۔ ان کا حال بھی سنا، اپنا حال بھی سنایا۔

"ہماری مکئی کی فصل خراب ہو گئی۔" دریا کے لوگوں نے کہا۔ "کوئی بڑا سا جانور کانٹوں کی باڑھ کو توڑتا ہوا کھیتوں میں گھس گیا۔"

کدو اُگانے والے غور سے سنتے رہے۔ "یہ جانور ضرور ہاتھی ہو گا۔" انہوں نے کہا "ہاتھی اتنا بڑا ہوتا ہے کہ باڑھ توڑ دے اور مکئی کے پودے کھا جائے۔"

پھر ان لوگوں نے اپنا حال سنایا۔ "ہماری کدو کی بیلیں ٹوٹ گئیں۔ کوئی چالاک جانور کانٹوں کی باڑھ کے نیچے سے مٹی کھودتا ہوا وہاں گھس گیا۔"

دریا پار والے غور سے سنتے رہے۔ "یہ جانور ضرور لگڑ بگھا ہو گا۔" انہوں نے کہا "لگڑ بگھا اتنا چالاک ہوتا ہے کہ کانٹوں کی باڑھ کے نیچے سے مٹی کھود لے۔"

دریا پار والے اور کدو اگانے والے لوگ ایک دوسرے کو اپنی مصیبت سناتے ہوئے اس قدر روئے کہ ان کے آنسوؤں سے زمین گیلی ہو گئی۔

جنگل کے دوسرے جانوروں نے ان لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے سنا۔ ان کی آوازیں بہت اداس تھیں۔ پھر ان کی نظر زمین پر پڑی جو آنسوؤں سے گیلی ہو رہی تھی۔ نرم دل جانور بھی اداس ہو گئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کیا ہوا ہے۔ جانوروں کی بات ایک چڑیا نے سن لی اور وہ اس بات کو لے اڑی۔ اس چڑیا سے دوسری چڑیا نے سنا اور وہ دریا پار کے لوگوں اور کدو اگانے والے لوگوں کی مصیبت کے بارے میں گیت گانے لگیں۔ چڑیوں کا یہ گیت دور دور تک پہنچ گیا۔

تھوڑے ہی دن گئے تھے کہ یہ بات ہاتھی اور لگڑ بگھے کے کانوں تک بھی پہنچ گئی اور انہیں پتہ چل گیا کہ ان کے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے۔ سارے جانور کہہ رہے تھے کہ ہاتھی اور لگڑ بگھے نے برا کیا، ان کو فصلیں اگانے والوں کا دل نہیں توڑنا چاہئے تھا اور انہیں اداس نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ہاتھی نے بھی سنا تو شرمندہ ہو کر لگڑ بگھے کے پاس گیا اور اس نے جو سنا تھا وہ لگڑ بگھے کو بتایا۔

"ہر ایک ہمیں برا کہہ رہا ہے۔" ہاتھی نے لگڑ بگھے سے کہا۔ وہ سب نام سنتے ہی برا منہ بنا لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سب کے کھانے کے لئے بہت کچھ موجود ہے تو پھر چوری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ دوسرے کی محنت کو برباد کرنا اچھا

نہیں ہوتا۔"

لگڑبگھا بھی شرمندہ ہوگیا۔ اس نے اپنا سر نیچے کرلیا اور پیلے پیلے دانت نکال کر غرّانے لگا۔

"میں نہیں چاہتا کہ لوگ میرے نام کو برا سمجھیں۔" لگڑبگھے نے ہاتھی سے کہا۔ "چلو سردار کے پاس چلتے ہیں کہ ہمارے نام بدل دے۔"

ہاتھی کو بھی یہ تجویز بہت پسند آئی۔ اس کا نام ہاتھی نہ رہے، تو پھر اس کے نام پر لگا ہوا دھبہ مٹ جائے گا اور وہ پھر دوسرے جانوروں کے سامنے اپنا سر فخر سے بلند کر سکے گا۔

"ہم کل صبح ہی صبح نکل لیں گے۔" اس نے لگڑبگھے سے کہا۔ سردار کا گھر بہت دور ہے اور ہمیں سفر کرنے کے لئے پورا دن چاہئے ہوگا۔"

اگلی صبح دونوں چھوٹے دوست سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ وہ دونوں اتنی جلدی نکل کھڑے ہوئے تھے کہ سورج کی ہلکی ہلکی روشنی پہاڑیوں پر پوری پھیلی بھی نہیں تھی۔ دونوں سارا دن جھاڑی بَن میں چلتے رہے اور اس راستے پر چلتے رہے جو سردار کے گھر کی طرف جاتا تھا، اور سورج ان کے سامنے آسمان سے نیچے آکر پہاڑیوں کی اوٹ میں چھپ گیا۔ سورج ڈوب گیا اور ستارے ایک ایک کر کے نکلنے لگے تو انہیں دور سے سردار کے گاؤں میں آگ جلتی ہوئی نظر آئی۔

سردار کے آدمی نے گاؤں کے راستے پر ان کا استقبال کیا۔ اس آدمی نے بھی ہاتھی اور لگڑبگھے کا برا نام سن رکھا تھا مگر اس وقت وہ مہمان بن کر آئے تھے اس لئے چپ ہوگیا۔

"ہم اپنے نام بدلوانے کے لئے آئے ہیں۔" لگڑبگھے نے کہا۔ اندھیرے میں اس کی لال لال آنکھیں چمک رہی تھیں۔

سردار کے آدمی نے ان کی باتیں بڑی تمیز کے ساتھ سنیں۔ جب ساری بات سن لی تب پھر کہا : "مجھے افسوس ہے، اب نام بدلوانے کے لئے بڑی دیر ہو چکی ہے۔ یہ کام کل صبح ہو سکتا ہے جب روشنی ہوگی اور سردار دیکھ سکیں گے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اس وقت تو اندھیرا ہے۔ میں آپ کو رات سونے کے لئے جگہ دکھا دیتا ہوں۔"

ایک لمبا سا لڑکا آیا اور ہاتھی کو اس جگہ لے گیا جہاں اسے رات کو سونا تھا۔ اب ہاتھی اتنا بڑا تھا کہ وہ کھیت ہی میں سو سکتا تھا۔ لڑکے نے ہاتھی سے شب بخیر کہا۔ پھر وہ لگڑبگھے کو سونے کی جگہ لے آیا۔ لگڑبگھا اتنا بڑا نہیں تھا، اس لئے وہ جھونپڑی میں سو سکتا تھا۔ لڑکے نے اسے ہرن کی کھال دے دی کہ رات کو سردی لگے تو اوڑھ لے۔ "رات کو آسمان پر ستارے ہوتے ہیں اور

کچھ نہیں ہوتا۔" لڑکا نے کہا۔ "تم کو سردی سے بچنے کے لئے اس کی ضرورت پڑے گی۔"

لگڑ بگھے نے شکریہ ادا کیا اور کونے میں لیٹ کر ہرن کی کھال اوڑھ لی۔ لڑکے نے جھونپڑی کا دروازہ بند کردیا اور سردار کے آدمیوں کو خبر کردی کہ دونوں مہمان آرام سے ہیں۔

صبح کی روشنی پھیلنا بھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ لگڑ بگھا اٹھا اور جھونپڑی سے نکل کر ہاتھی کے سونے کی جگہ آیا۔ وہ سر جھکا کر چل رہا تھا جس طرح سارے لگڑ بگھے چلتے ہیں۔ وہ اس طرح چل رہا تھا جیسے شرمندہ ہو کر چوری چھپے نکل رہا ہو۔ اس نے دیکھا کہ کھیت میں ہاتھی بھی اپنے دوست کے انتظار میں کھڑا ہوا ہے۔ اس نے بھی منہ زمین کی طرف کیا ہوا تھا۔

اس سے پہلے کہ لگڑ بگھا اسے سلام کرتا، ہاتھی کہنے لگا۔ "مجھے افسوس ہے۔ ان لڑکوں نے مجھے رات گزارنے کے لئے مکئی کے اس کھیت میں پہنچادیا اور میں رات بھر میں، سارا کھیت چر گیا۔"

لگڑ بگھے نے کھیت کی طرف دیکھا۔ کھیت میں ٹوٹے ہوئے پودوں کے ڈنٹھل ہر طرف بکھرے پڑے تھے۔ جیسے آندھی چلی ہو۔

"مجھے بھی شرم آرہی ہے" لگڑ بگھے نے کہا۔ "ان لوگوں نے رات کو اوڑھنے کے لئے مجھے ہرن کی کھال دی۔ میں رات بھر میں ساری کھال چبا گیا۔ صرف دم باقی بچی ہے۔"

دونوں دوستوں کو اب اتنی شرم آنے لگی کہ وہ سردار کے سامنے جانے کی ہمت نہ کرسکے۔ آخر اس کے سامنے جاکر کیسے کہتے کہ ہمارے نام بدل دو۔ وہ جھاڑی بَن میں واپس لوٹ گئے جہاں وہ لوگوں سے دور رہ سکیں۔ ان کے نام اب بھی ہاتھی اور لگڑ بگھا ہیں اور سب لوگ ہی نام لے کر انہیں برا بھلا کہتے ہیں۔ اور اس وجہ سے وہ لوگوں سے دور رہتے ہیں۔

"اب تمہاری سمجھ میں آیا؟" دادی اماں نے پوچھا۔ سوال پوچھنے والے بچے نے خاموشی سے سرہلادیا۔

روشن جوتے

جوتے انسان کی ضرورت ہوتے ہیں۔ اب جوتوں نے بھی ترقی کرلی ہے اب جوتوں کے نت نئے ڈیزائن منظرِ عام پر آرہے ہیں لیکن امریکہ کے ایک سائنس دان نے ایک منفرد قسم کا جوتا تیار کیا ہے۔ جس کے آگے بلب اور نیچے پہیے لگائے گئے ہیں۔ جوتوں کے اوپر ایک بیٹری لگائی گئی ہے۔ ان جوتوں کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی مدد سے اندھیرے میں راستہ دیکھا جاسکتا ہے۔ اور اس کو پہن کر بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلا جاسکتا ہے۔

ایسے میں کیا کروں؟

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں پانچوں وقت کی نماز جماعت سے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کوشش یوں کہ اکثر میری جماعت کی نماز جھجھک اور شرم کی وجہ سے قضا ہو جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ فرض کیجئے گھر پر کوئی مہمان آگیا یا میں خود کسی دوست کے ساتھ ہوں یا کسی کے گھر گیا ہوا ہوں تو میں اس خیال سے نماز کے لئے نہیں کہہ پاتا ہوں کہ دوست یا مہمان یہ نہ سمجھ لیں کہ میں ان پر اپنے نمازی ہونے کا رعب ڈال رہا ہوں۔ اس طرح میری جماعت کی نماز قضا تو ہو جاتی ہے لیکن اس کے قضا ہونے کا مجھ پر اتنا زیادہ اثر ہوتا ہے کہ سارا وقت اپنے آپ کو کوستا رہتا ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ شریعت میں اس عذر کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے وقت ایسے ہو جاتے تھے جیسے کسی کو جانتے ہی نہ ہوں۔ یہ سب باتیں جاننے اور ماننے کے باوجود جب ایسا موقع آتا ہے تو میں پھر وہی حرکت دہرا دیتا ہوں اور پھر کڑھتا رہتا ہوں۔ بھلا بتایئے میں کیا کروں؟ کیا اس کا کوئی علاج بھی ہے؟

جمیل احمد، کراچی

ستمبر کی اشاعت میں پتوکی سے ش، ع، ع نے اپنا اور اپنے اسکول کے لڑکوں کا مسئلہ ارسال کیا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ ان کے اسکول کے دو حصے ہیں، ایک حصے میں طالبات پڑھتی ہیں دوسرے میں طلبا۔ خواتین اساتذہ کی کوشش ہوتی ہے کہ لڑکوں کی پوزیشن نہ آئے اور مرد اساتذہ چاہتے ہیں کہ لڑکیاں لڑکوں سے پیچھے رہ جائیں۔ اس کشمکش سے دل برداشتہ ہو کر اسکول کے لڑکے تعلیم چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں کیونکہ میڈموں نے انہیں جان بوجھ کر کم نمبر دیئے تھے۔ ش، ع، ع کے اس مسئلے کے جواب میں ادارے کو بڑے تند و تیز خطوط موصول ہوئے۔ لڑکیوں نے اس پر شدید احتجاج کیا اور لڑکوں کی شکایت کو عذر لنگ قرار دیا۔ اس سلسلے میں ہمیں جو مشورے موصول ہوئے ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

انعام یافتہ مشورہ

جناب ش، ع، ع، اس تیز رفتار دور میں جہاں کہیں بھی لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے پڑھتے ہوں وہاں دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے سرتوڑ کوششیں کرتے ہیں اور اس دوران کوئی بھی یہ نہیں دیکھتا کہ کس کے احساسات مجروح ہوئے ہیں۔ اس سارے عمل میں اساتذہ برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

آپ سب سے پہلے ذہن میں یہ بٹھالیں کہ آپ کا مقابلہ لڑکیوں سے نہیں ہے۔ آپ کے ذہن میں بورڈ کے امتحانات ہونے چاہئیں۔ اگر آپ یہاں تھوڑے سے لڑکے اور لڑکیوں میں الجھ کر رہ گئے تو بورڈ میں تو ہزاروں کی تعداد میں لڑکے اور لڑکیاں ہوتی ہیں تو آپ ان سے زیادہ نمبر کیسے لے سکیں گے؟

لہٰذا اگر آپ اچھے نمبر لینا چاہتے ہیں تو لڑکیوں کے جیت جانے یا نہ جیت جانے پر دھیان نہ دیں۔ بلکہ اپنی ساری ذہنی توانائی اپنی پڑھائی کی طرف صرف کریں۔ کیونکہ بورڈ میں آپ کے اسکول کے ہی اساتذہ یا استانیاں پیپرز نہیں چیک کرتیں بلکہ کسی اور کے علاقے کے استاد سے آپ کے پیپرز چیک ہوتے ہیں۔ آپ مسلسل محنت، لگن اور اللہ پر اعتماد رکھئے کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ اپنے اندر برداشت اور صبر کا مادہ پیدا کریں۔ یقین نہ ہو تو آزما کر دیکھ لیں۔ اللہ آپ کو کامیاب کرے۔ آمین

رحمت اللہ بشیر، گجرات

محترم ش، ع، ع، صاحب!

آپ کا مسئلہ اتنا گھمبیر نہیں کہ اس کو بنیاد بنا کر تعلیم سے ہی منہ موڑ لیا جائے۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کو کیسے علم ہوا کہ خواتین اساتذہ لڑکوں کے ساتھ تعصب برتتی ہیں۔ محترم ش، ع، ع، صاحب! میرے خیال میں یہ آپ کا اور آپ کے "ہاف" کے اساتذہ کا محض مخصوص مشرقی مردانہ ذہنیت کا حامل احساس برتری کم احساس کمتری ہے۔ جس کے تحت آپ لوگ خود بخود ہی یہ سوچ لیتے ہیں کہ "فیمیل" کو تو آپ سے آگے نکلنا ہی نہیں چاہیئے۔ اور اگر وہ کسی طرح اپنی برتری کا مظاہرہ کر رہی ہیں تو اس کے پیچھے یقیناً" کسی قسم کی کرپشن ہوگی۔

آپ کو اگر واقعتاً" یہ شکایت ہے جو آپ کے اپنے بقول تو اتنی سنگین ہے کہ طلبہ اسکول اور تعلیم چھوڑ کر جارہے ہیں تو پھر تو آپ کو اور دوسرے ستم ظریف لڑکوں کو مل کر اس "زیادتی" کے خلاف علم احتجاج بلند کرنے میں کسی قسم کا تامل نہیں ہونا چاہیئے۔

ویسے بعض اوقات نمبروں کی کمی بیشی کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک ہی مضمون کے مختلف اساتذہ کی مارکنگ کا انداز بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اس ضمن میں یہ ایک حقیقت ہے کہ خواتین اساتذہ نمبر زیادہ کاٹتی ہیں۔ کیونکہ کاپیاں چیک کرتے ہوئے معمولی جزیات کو بھی کھنگالتی ہیں۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ اسکول کی ساری پڑھائی ہمارے ملک کے تعلیمی نظام کی رو سے محض میٹرک کے بورڈ کے پیپرز کی تیاری پر منحصر ہوتی ہے۔ پھر اسکول کے اساتذہ کی زیادتی کو نظرانداز کرکے بورڈ کے لئے تگ و دو کریں اور مجھے یقین ہے کہ میٹرک میں بھی لڑکیوں کی کامیابی کی شرح ہمیشہ کی طرح لڑکوں سے زیادہ ہوگی آپ پھر بھی جانب داری کا الزام لگائیں گے۔ کیونکہ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔

فریحہ ابتسام راؤ، لاہور

آپ کو چاہیئے کہ آپ اسکول کے چند لائق ترین طالب علموں کا ایک گروپ بنا کر ایک بار پھر پرنسپل صاحب سے ملیں اور انہیں تفصیل سے صورتحال سے آگاہ کریں اور انہیں اس بات پر قائل کریں کہ وہ مرد اور خواتین اساتذہ کی میٹنگ بلوائیں اور انہیں متحد رہنے کی تلقین کریں کیونکہ جو لوگ متحد ہو کر کام کرتے ہیں وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ آپ کو پرنسپل صاحب کو مودبانہ طریقے سے ایک بات تو یہ بتانی چاہیئے کہ اسکول میں خواہ لڑکی اول آئے یا لڑکا، نام تو اسکول کا ہی بلند ہوگا۔ لیکن اول اسے ہی لایا جائے جو اس کا حق دار ہو۔ دوسرے سب اساتذہ کو اسکول میں خوشگوار فضا پیدا کرنی چاہیئے۔ تاکہ بچوں کے اذہان پر اچھے اثرات مرتب ہوں

طارق رفیق بھٹی، اوکاڑہ

نہیں اچھا

زاہد الحسن زاہد

بے فائدہ لکھ لکھ کے مٹانا، نہیں اچھا
یوں کھیل میں وقت اپنا گنوانا، نہیں اچھا

ہے علم خزانہ وہ، جو چوری نہیں ہوتا
جی علم کی دولت سے چُرانا، نہیں اچھا

ہے علم اگر پاس تو لوگوں کو سکھاؤ
دولت ہے یہ وہ جس کو چُھپانا، نہیں اچھا

ماں باپ کی صحبت میں اگر بیٹھے ہوئے ہو
اس وقت کسی لے میں بھی گانا، نہیں اچھا

مطلوب جو عزّت ہے تو عادات سنوارو!
دیکھو کسی انساں کو ستانا، نہیں اچھا

جو چیز پسند آئے اجازت سے اسے لو
یوں چوری چھپے چیز اُڑانا، نہیں اچھا

بھولے سے کبھی چُغلی کھاؤ نہ کسی کی تم
یوں ساکھ کسی کی بھی گرانا، نہیں اچھا

اخلاق سے پیش آؤ ہر اہلِ طلب سے تم
سائل کے کبھی دل کو دُکھانا، نہیں اچھا

احسان جتانے سے باقی نہ رہے نیکی
دشمن کو بھی احسان جتانا، نہیں اچھا

انسان کی ہمّت کا پتہ چلتا ہے اس سے
مشکل سے کبھی آنکھ چُرانا، نہیں اچھا

خوددار بنو اور خداوند کے بن جاؤ
سر غیروں کی چوکھٹ پہ جُھکانا، نہیں اچھا

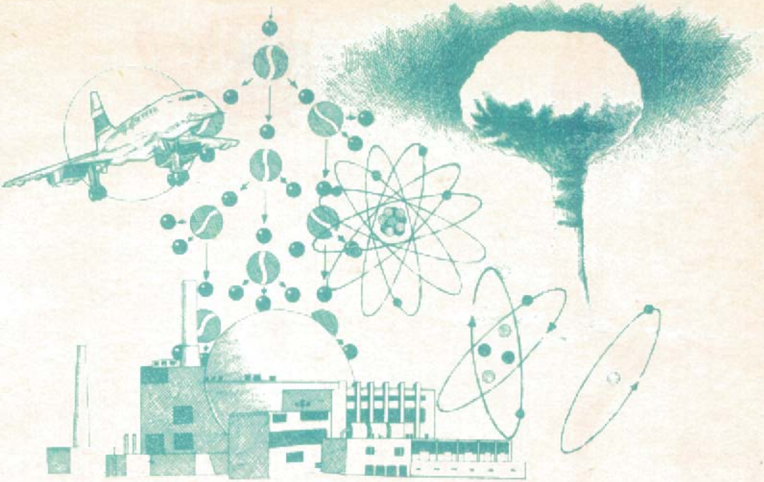

تابکاری اور ماورائے بنفشی شعاعیں کیا ہیں؟

نگہت آرا چوہان

جب ہم کسی اندھیرے کمرے میں داخل ہوتے ہیں تو ہمیں کوئی چیز نظر نہیں آتی لیکن لیمپ روشن کرتے ہی سب چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ لیمپ سے کوئی "چیز" خارج ہوتی ہے جس کی موجودگی میں ہم اِرد گرد کی چیزیں دیکھتے ہیں۔ لیمپ سے خارج ہونے والی اس چیز کو ہم روشنی کہتے ہیں۔ روشنی درحقیقت "توانائی" کی ایک قسم ہے۔ قدیم لوگوں کا خیال تھا کہ ہماری آنکھوں سے کوئی غیر مادی شے خارج ہوتی ہے جس کی مدد سے ہم دیکھتے ہیں لیکن ایسا ہوتا تو ہم کو رات کی تاریکی میں بھی سب کچھ نظر آجانا چاہیے تھا۔

سترھویں صدی میں پہلی بار مشہور سائنسدان سر آئزک نیوٹن نے روشنی کے بارے میں یہ نظریہ پیش کیا کہ یہ چھوٹے چھوٹے متحرک ذرّات پر مشتمل ہوتی ہے جو سیدھی چلتی ہے۔ بیسویں صدی کے شروع میں میکس پلانک اور آئن اسٹائن نے روشنی کا کوانٹم نظریہ پیش کیا۔ اس نظریئے کے مطابق روشنی میں ذرات اور موجیں دونوں خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ تو تھی روشنی کی

شعاعوں کی ماہیت۔ اسی طرح حرارت کی شعاعیں، ایکس ریز اور بالائے بنفشی شعاعیں تابکاری کی مختلف صورتیں ہیں۔ تابکار لہروں کا دائرۂ کار حیرت انگیز حد تک بڑا ہوتا ہے۔ ریڈیائی لہریں طویل ترین ہوتی ہیں اور سب سے مختصر لہروں کو "گاماریز" کہتے ہیں۔ ان کے بعد روشنی کی لہروں کا طول ہوتا ہے جنہیں نظر آنے والی تابکاری کہتے ہیں۔

روشنی کی لہروں کی لمبائی مختلف ہوتی ہے۔ ہر رنگ کی روشنی کا الگ "طول موج" ہوتا ہے۔ سرخ روشنی کا طولِ موج طویل ترین ہوتا ہے جو انسانوں کو نظر آجاتا ہے۔ اس کے بعد مالٹئی، زرد، سبز، نیلی اور بنفشی شعاعیں بتدریج چھوٹی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بنفشی شعاعوں کا طولِ موج مختصر ترین ہوتا ہے۔ ان کی تابکاری کو دیکھا جاسکتا ہے۔ شعاعوں کی ایک قسم زیریں سُرخ شعاع کہلاتی ہے۔ ان شعاعوں سے ایسے مناظر کی تصویر کشی کا کام لیا جاتا ہے جہاں تک ہماری نگاہیں نہیں پہنچتیں۔

بنفشی شعاعوں کی طولِ موج کے بعد ہی وہ تابکاریاں ہوتی ہیں جن کو سائنسدان بالائے بنفشی شعاعوں کا دائرۂ کار کہتے ہیں۔ یہ شعاعیں سورج سے خارج ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے لیمپوں سے بھی یہ شعاعیں خارج ہو سکتی ہیں ان لیمپوں کو اسی مقصد کے لئے بنایا جاتا ہے۔ ماورائے بنفشی شعاعوں کے طولِ موج کا دائرۂ کار ان بنفشی روشنیوں کے ٹھیک اوپر ہوتا ہے جن کا حجم دس لاکھ لہریں فی سنٹی میٹر ہوتا ہے۔ کیونکہ ماورائے بنفشی شعاعیں دوسری شعاعوں کے مقابلے میں زیادہ چھوٹی ہوتی ہیں اس لئے وہ اندر تک سرایت کر جاتی ہیں۔ سورج کی حرارت کے ساتھ ساتھ یہ ہماری جلد کے اعصاب میں داخل ہو جاتی ہیں لیکن سورج سے خارج ہونے والی یہ شعاعیں صرف نصف کے قریب زمین تک پہنچتی ہیں بقیہ زمین کی بلند فضا میں تحلیل ہو جاتی ہیں۔

اب آیئے تابکاری کی طرف۔ سادہ ترین الفاظ میں اس کا مطلب توانائی کی لہروں کا سفر ہے۔ آپ تابکاری کو اس وقت سے جانتے ہیں جب آپ ننّھے مُنّے سے تھے۔ جب کبھی آپ سردیوں میں کسی گرم چولہے، بجلی کے ہیٹر یا روشن بلب کے نزدیک اپنا ہاتھ لے جاتے ہیں تو گرمی محسوس کرتے ہیں۔ جب آپ دھوپ میں بیٹھے ہیں تو بالائے بنفشی شعاعیں آپ کی جلد سے ٹکرا رہی ہوتی ہیں۔ یہ سب برقی مقناطیس کی تابکاری کی مثالیں ہیں۔ دوسری بڑی قسم کی تابکاری کو "ریڈیو الیکٹرو تابکاری" کہتے ہیں اور یہ ریڈیو الیکٹرو مادّوں یا جوہری ردِّ عمل سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس میں توانائی کی لہریں یا ذرات خارج ہوتے ہیں۔ آیئے آپ کو ان لہروں کے بارے میں بتائیں۔

لہروں کے درمیان فاصلے کو طولِ موج کہتے ہیں۔ ایک دیئے ہوئے نقطے سے ایک سیکنڈ میں

دو دل بارہ انگلیاں

اٹلی کے ایک باشندے آکٹینو کے دو دل اور بارہ انگلیاں تھیں۔ اور وہ کبھی بیمار نہیں ہوا تھا۔

نمک کا شہر

○ ٹیگا زادہ افریقہ کا ایک شہر ہے جس کے تمام مکانات نمک کے بنے ہوئے ہیں۔

مرسلہ ...... محمد شاہ کھوکھرائی، ٹنڈو محمد خان

جتنی لہریں گزرتی ہیں ان کو "فریکوئینسی" یا "تعددِ امواج" کہتے ہیں۔ جب طول موج کے ایک مخصوص دائرے میں تمام لہروں کی گروپ بندی کر دی جاتی ہے تو اس کو "طیف" یا "اسپیکٹرم" کہتے ہیں۔ کم از کم لہروں کے گروپ کو "ایکس رے طیف" کہتے ہیں۔ اس کے بعد نظر آنے والی روشنی کا طیف ہوتا ہے یعنی آپ ان لہروں کو دیکھ سکتے ہیں۔ پھر نہ نظر آنے والی ان سے بھی لمبی لہروں کو "ماورائے احمر" یعنی انفرا ریڈ طیف کہا جاتا ہے۔ ان سے بھی لمبی لہروں کو "ہرٹزیان" لہریں کہا جاتا ہے۔ یہ ریڈیو، ٹی وی اور ریڈار میں استعمال ہوتی ہیں۔

اب آپ سوال کریں گے کہ یہ لہریں کس چیز سے پیدا ہوتی ہیں؟ ویسے تو یہ لہریں قدرتی طور پر پیدا ہوتی رہتی ہیں تاہم بعض صورتوں میں مخصوص مشینوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ قدرتی لہریں سورج سے پیدا ہوتی ہیں۔ کسی بھی قسم کی تابکاری پیدا کرنے کے لئے توانائی کی ضرورت پڑتی ہے۔

سورج کے اندر ایٹمی توانائی ایک ردِ عمل سے پیدا ہوتی ہے جس کو دھماکہ یا "فیژن" کہتے ہیں۔ ایکس ریز پیدا کرنے کے لئے ہدف پر ذرات سے بمباری کرنا پڑتی ہے۔

ریڈیو ایکٹو تابکاری تبدیلی کے طریقے سے یا بعض عناصر کے ضائع ہو جانے کے عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ عناصر ریڈیو ایکٹو ہوتے ہیں۔

ان ذرّات یا لہروں میں اس وقت بھی تابکاری پیدا ہو جاتی ہے جب ان کے ایٹم کا مرکزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ زمین پر ایٹمی دھماکے سے گاما شعاعیں ذرّات میں جنہیں "نیوٹرونز" کہتے ہیں پھیل جاتی ہیں۔ گاما شعاعیں روشنی کی رفتار سے چلتی ہیں اور فضا میں منتشر ہو جاتی ہیں۔ جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر جو ایٹم بم گرائے گئے تھے وہ فضا کی انتہائی بلندیوں سے گرائے گئے تھے اور انہوں نے بہت تباہی مچائی تھی۔ ایٹمی دھماکے سے نقطۂ ارضی کے نصف کلو میٹر کے اندر جو غیر محفوظ لوگ ہوتے ہیں وہ سب کے سب گاما شعاعوں سے ہلاک ہو جاتے ہیں اور جو لوگ نصف چوتھائی کی کلو میٹر کے دائرے میں رہتے ہیں، نصف سے زیادہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے کہ وہ تمام ممالک کو امن سے رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور سب کو ایٹم بم کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھے۔

بنام آنکھ مچولی

قارئین کے منتخب خطوط

عمران سہیل بوبی، اوکاڑہ۔ ہمارے ابو نے ڈش انٹینا گھر میں نہیں لگنے دیا۔ لیکن کوئی بات نہیں، آنکھ مچولی کے رنگین صفحات سے ڈش انٹینا کی کمی پوری ہوجاتی ہے۔ گزارش یہ ہے کہ آنکھ مچولی میں پرندوں اور جانوروں کے بارے میں معلومات اور حیرت انگیز کمالات زیادہ شائع کیا کریں۔ کیا میں ایک بار پھر کارٹون بھیجوں؟..... ○ آپ کے ابو نے اچھا کیا۔ آنکھ مچولی کے رنگین صفحات اتنے خراب تو نہیں ہوتے؟ کارٹون ضرور بھیجئے۔ **حنا سلطان، کراچی۔** ستمبر کے شمارے میں سعودی عرب کا قومی دن پر خصوصی ضمیمہ بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں "دیوار کے کان" "مرغا" چوہا اور لال مرغی" بہت اچھی تھیں۔ عبدالقادر اور سیدہ افشاں افتخار کی نظمیں پسند آئیں۔ **دانش جواہر، کندھ کوٹ** ستمبر کا آنکھ مچولی تمام تر خوبصورتیوں کے ساتھ ملا۔ انکل؟ "ہیرو کے مہمان" کا سلسلہ ابھی تک شروع کیوں نہیں کیا۔ پرانے شمارے منگوانے کے لئے منی آرڈر کے بجائے ڈاک ٹکٹ بھجواسکتے ہیں..... ○ اس لئے کہ ابھی تک آپ لوگوں کی جانب سے خاصی تعداد میں ڈاک نہیں آئی ہے۔ جی ہاں ڈاک ٹکٹ قابل قبول ہوں گے۔ **عدیل اسلم، گجرانوالہ کینٹ۔** آپ نے میری کوئی کہانی نہیں چھاپی ہے اس لئے خوفناک نمبر کے لئے ایک کہانی بھجوا رہا ہوں آپ بھی کہہ رہے ہوں گے کہ یہ پاگل ہوگیا ہے...... ○ نہیں بھئی ہم ایسا ہرگز نہیں کہیں گے۔

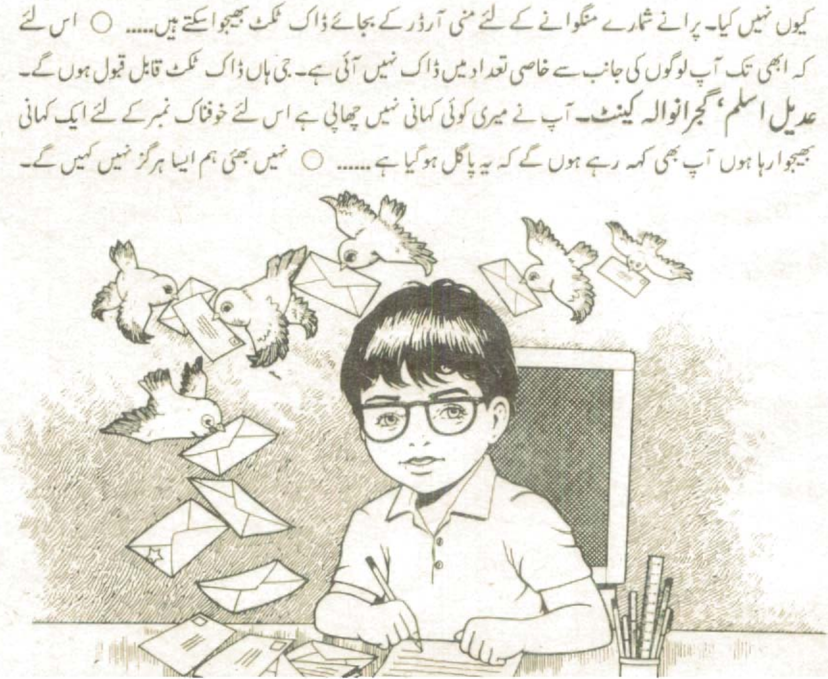

ویسے ادیب بننے کے لئے اسی قسم کا پاگل پن ضروری ہوتا ہے۔ **محمد حسن عارف خان، شاہ فیصل کالونی، کراچی**
تمبر کی ہر تحریر اپنے اندر پیغام لئے ہوئے تھی۔ عبدالستار طاہر کی تحریر "رسول اللہؐ کے والد" خاص خاص تحریروں میں "محنت کی کمائی" "جھکے ہوئے شانے اور "مرغا، چوہالال مرغی" دل چسپ اور منفرد تحریریں تھیں۔ **کمال احمد عازم، حیدر آباد** اسحاق منصوری کی تحریر "کہانی انسان کی" اچھی جا رہی ہے۔ رسالے کی قیمت ۱۶ روپے سے بڑھ کر ۱۸ روپے تک آگئی ہے۔ یہ قیمت زیادہ ہے۔ کوئی غریب لڑکا اتنی قیمت برداشت نہیں کرسکتا اس لئے میں ملک کی تینوں اہم شخصیتوں کو خط لکھ رہا ہوں..... ○ شاباش! **سیدہ افشاں افتخار، کراچی**۔ آپ کے رسالے کے "قلم دوست" میں میری دو تحریریں چھپ چکی ہیں لیکن کوئی معاوضہ نہیں ملا۔ ○ بی بی! قلم دوست میں ہم نئے لکھنے والوں کی تحریروں کو چھاپتے ہیں اور یہ حوصلہ افزائی کا سیکشن ہوتا ہے۔ اس کی تحریروں کا معاوضہ ہم نہیں دیتے۔ اسے آپ صرف شاباشی سمجھ لیں۔

انیلا عمر، کراچی۔ آنکھ مچولی میں وہ بات نہیں رہی جو پہلے تھی۔ اس کا معیار بھی گر گیا ہے۔ رسالے میں مزاحیہ تحریروں کی سخت کمی ہے۔ اسے پورا کیجئے اسی طرح بنام آنکھ مچولی میں بہترین خط تحریر کرنے والے ساتھی کو انعام دیجئے۔ **عاصم شہزاد خان، لاہور** بوسنیا کے حوالے سے سربوں کے ظلم وتشدد اور وہاں کے مسلمانوں کی حالت زبوں پر مواد آنکھ مچولی میں شائع کیجئے۔ ○ ...... آنکھ مچولی نے ہی بچوں کے رسائل میں سب سے پہلے مضمون "بوسنیا کے مسلمانوں کا لہو کب تک بہتا رہے گا" شائع کر کے قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی۔ **محمد افضل ساگر، بولان** سلسلے وار ناول "کہانی انسان کی" بور کر رہا ہے..... خوفناک نمبر کے صفحات زیادہ، قیمت مناسب اور ساتھ میں ایک عدد تحفہ ضرور دیجئے گا۔ میری کہانیوں کے بارے میں اطلاع دیجئے۔ ○ ..... آپ ہمیں اپنی تازہ دلچسپ اور معیاری تحریر ارسال کیجئے ان کے لئے تو معذرت۔ **سیدہ رباب طاہرہ، گجرات**۔ آپ نے میری تحریر شائع کی بے حد شکریہ! میں نے سنا ہے جو ایک مرتبہ خریدار بن کر چھوڑ دے وہ دوبارہ خریدار نہیں بن سکتا؟ ○ ..... یہ آپ سے کس نے کہا؟ ہزار مرتبہ بھی خریدار بن کو چھوڑ دینے والا ہمارا دوبارہ خریدار بن سکتا ہے ......!! **پارس میر، کنول مجید، لیاری کراچی** ہمارے علاقے بغدادی میں صفائی نہ ہونے کے برابر ہے گٹروں سے آئے دن گندا پانی ابلتا رہتا ہے۔ علاقے میں مکھیوں مچھروں کی بہتات ہے جس کی وجہ سے ہیضہ اور ڈائیریا جیسی بیماریاں عام ہیں۔ سرکاری اسکولوں میں ٹیچر نہ ہونے کے برابر ہیں۔ بچے پڑھنے کے بجائے سارا دن اسکول میں کھیلتے رہتے ہیں۔ اسی طرح اتنے بڑے علاقے میں سرکاری ہسپتال صرف ایک ہے۔ دوائیں بھی ہیں لیکن صرف ڈاکٹروں کے لئے، مریضوں کے لئے نہیں اور یہ ڈاکٹر تمام دوائیں اپنے پرائیویٹ کلینک میں استعمال کرتے ہیں۔ **شاہد الرحمٰن چوہدری، سرگودھا**۔ مجھے "کشمیر نمبر" اور "ایجادات نمبر" درکار ہیں منگوانے کے لئے مجھے کتنے پیسوں کا منی آرڈر کرنا پڑے گا۔ ○ ..... بھائی شاہد! آپ بیس روپے کا منی آرڈر بھیج دیجئے یہ شمارے آپ کو ارسال کر دیئے جائیں گے۔ **بشریٰ مظفر، ساہیوال**۔ مجھے آنکھ مچولی کی کہانیاں

بہت پسند ہیں۔ ان میں انفرادیت ہوتی ہے خاص طور پر عادل منہاج کی کہانیاں بے حد دلچسپ اور معلوماتی ہوتی ہیں۔ خاص نمبر کا شدت سے انتظار ہے امید ہے کہ یہ پہلے نمبروں سے زیادہ خوفناک اور دلچسپ ہوگا۔ **صائمہ اکرم، رحیم یار خان۔** میری تحریر "کوئی تو انہیں سمجھائے" کا کیا بنا؟ آگاہ کیجئے! ○ .....اس کے لئے تو معذرت آپ کوئی اور دلچسپ اور معیاری تحریر ارسال کیجئے! **قاسم بن نظر، کراچی۔** "کہانی انسان کی" ایک بہترین کہانی ہے۔ ہمارے علاقے میں رسالہ دیر سے آتا ہے۔ ذرا جلدی بھیجا کریں۔ شکریہ! **محمد شجیع الرحمٰن، بہاولپور** یسلسلہ وار ناول کہانی انسان کی" بہت اچھا جارہا ہے۔ نظمیں تمام پسند آئیں۔ **صدف خان، ہری پور۔** صرف میں ہی نہیں میرے گھر والے بھی آنکھ مچولی بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ یہ ایک معیاری رسالہ ہے۔ **رانا محمد شاہد، بوریوالہ۔** لگتا ہے آنکھ مچولی چند لوگوں کے لئے مخصوص ہوگیا ہے، ہمیں تو آپ لفٹ ہی نہیں کراتے؟ ○ .....بھائی! آپ کب تک لفٹ لیتے رہیں گے۔ دوسروں کو بھی لفٹ دیا کریں اور آنکھ مچولی تو سب بچوں کا رسالہ ہے۔ **محمد عارف، کراچی** آپ تحفہ ممبران کی تحفہ مدت میں اضافہ کردیں اور آئندہ مزید ایک سال تک شمارہ اعزازی بھیجئے!! ○ .....بھئی یہ کس طرح ہوسکتا ہے آخر دوسرے بچوں کا بھی تو اس تحفے پر حق ہے۔ **محمد رضوان زمان، عمرکوٹ۔** عطاء الحق قاسمی، صاحب کی ایک تحریر ارسال کررہا ہوں ضرور شائع کیجئے۔ ○ .....بھائی رضوان! کہیں چھپی ہوئی تحریریں دوبارہ شائع نہیں کی جاتیں آپ اپنی لکھی ہوئی کوئی دلچسپ اور معیاری تحریر ارسال کیجئے۔ **افشین، پشاور** میں نے تحریری مباحثے "ٹیوشن رحمت ہے یا زحمت" کے بارے میں چند سوالات پوچھے تھے لیکن کوئی جواب نہیں ملا ○ .....افشین بی بی! ہمیں آپ کا سوالنامہ نہیں ملا۔ **صالحہ انوار احمد، کراچی** آپ نے ایک سال پہلے اعلان کیا تھا کہ "میری پہلی تحریر" کے نام سے نیا سلسلہ شروع کرنے والے ہیں لیکن ابھی تک.....؟؟ ○..... قلم دوست میں "مجھے اچھا لگا" کے نام سے یہ سلسلہ ذرا مختلف انداز میں شروع کردیا گیا ہے۔ **عبدالرحمٰن، کراچی** آنکھ مچولی زبردست رسالہ ہے۔ اس بار کہانیاں، مضامین اور نظمیں بے حد اچھی تھیں۔ سلسلے وار ناول "کہانی انسان کی" بہت اچھا لگا ۔ قلم دوست میں "محاصرہ" بے حد پسند آئی۔ **بالاچ سکندر، مکران۔** آنکھ مچولی پاکستان کا بہترین رسالہ ہے۔ ہمارے گاؤں میں آنکھ مچولی بڑی مشکلوں سے دستیاب ہوتا ہے پھر بھی آپ ہمارے خطوط نہیں چھاپتے۔ کراچی والوں کے ہی چھاپتے رہتے ہیں۔ ○ .....اچھے بھائی بالاچ سکندر! ہم پاکستان کے بچوں کے خطوط کو بنام آنکھ مچولی میں جگہ دیتے ہیں ہم سب ایک ہیں۔ **پاکیزہ بتول(؟)۔** میری آپ سے درخواست ہے کہ خوفناک نمبر کے بعد "کائنات نمبر" اور "اوٹ پٹانگ نمبر" ضرور نکالیں۔ ○ .....آپ کی تجویز نوٹ کرلی گئی ہے۔ **حارث وحید(؟)** میں آپ سے بہت ناراض ہوں جب تک میرا خط نہیں چھپ جاتا تب تک میں رسالے پر اپنی رائے بھی نہیں دوں گا۔ **وقار احمد، کوئٹہ** جولائی کے آنکھ مچولی میں فہرست میں صفحہ نمبر اٹھانوے پر "کولمبس کہاں دفن ہے" لکھا ہے لیکن اس صفحے پر کوئی اور مضمون ہے اسی طرح کہانی مقابلہ کے نتائج اگست میں بتائے گئے مگر ابھی تک ان کا کچھ پتہ نہیں؟؟ ○

.....اس مضمون کی ہم پچھلے شمارے میں معذرت کر چکے ہیں جبکہ کہانی مقابلہ کے نتائج کا اعلان اگست ہی کے پرچے میں موجود ہے۔ **سیدہ کرن، کھلابٹ ٹاؤن شپ۔** آنکھ مچولی واقعی تعریف کے لائق ہے۔ میں ہر مہینے باقاعدگی سے اسے خریدتی ہوں۔ **محمد اکبر رشید، کہروڑپکا۔** آنکھ مچولی بچوں کا بہترین رسالہ ہے۔ اور اس کا مقابلہ شاید ہی کوئی دوسرا پرچہ کر سکے۔ نئے ادیبوں کے لئے صفحات مختص کرنا، مختلف تحریری مقابلے اور انعامی اسکیمیں متعارف کرانا۔ اسی کا طرۂ امتیاز ہے جو اسے دوسرے رسالوں سے ممتاز بناتا ہے۔ **عظیم اختر میمن، حیدر آباد** اگست کے شمارے میں نعیم مشتاق نومی کی کہانی میں بہت سی غلطیاں تھیں۔ ایک جگہ لکھا تھا۔ ابھی ریل گاڑی کے جانے کا وقت ہی نہیں ہوا تھا" اس کے باوجود مسافر چیخ رہے تھے کہ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ دوسری بات آپ نے "دندان شکن جواب" عظیم قریشی، اسلام آباد کے نام سے شائع کیا۔ یہی ٹکڑا میری ایک تحریر "باتیں ہنسی کی" میں شامل تھا۔ **برکت اللہ بلوچ، گوادر۔** آپ ہم بلوچوں کے خطوط شائع کیوں نہیں کرتے؟ ○ .....برکت اللہ بھائی! ہم تو صرف پاکستانیوں کے خطوط شائع کرتے ہیں اور فخر قومیت پر بھی نہیں صرف اپنے مسلمان ہونے پر کرنا چاہئے۔ رہا آپ کا شکوہ تو ہر مہینے کا بنام آنکھ مچولی گواہ ہے۔ سب سے زیادہ خطوط بلوچستان کے ساتھیوں کے شائع ہوتے ہیں۔ **حمیرا ناز، ہری پور۔** آپ کاغذ کی قیمت میں اضافے کا رونا رو کر پرچے کی قیمت تو بڑھا دیتے ہیں لیکن اس کے معیار میں اضافے کے بجائے کمی ہو رہی ہے!! **محمد حسن عارف خان، کراچی۔** آپ سے اتنا پوچھنا ہے۔ رسالے کی قیمت کہاں جا کر رکے گی خدارا! ہماری جیبوں کا کچھ تو خیال کیجئے۔ **سعدیہ ریاض، لاہور۔** جب پہلی بار آنکھ مچولی میرے ہاتھ لگا تو میری خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔ واقعی یہ ایک منفرد اور رنگارنگ رسالہ ہے۔ میں اس کے لئے دو نظمیں بھیج رہی ہوں۔ ○ .....بھئی سعدیہ! نظمیں تو آنکھ مچولی کو پسند نہیں آئیں آپ کوئی اور دلچسپ سی تحریر بھجوایئے۔ **محمد یوسف مگسی، کندھ کوٹ۔** رسالے میں کہانیاں کم ہو کر رہ گئی ہیں۔ آپ کندھ کوٹ کے لڑکوں کی تحریریں بھی نہیں چھاپتے، آخر کیوں؟ ○ .....بھائی! کہانیاں تو ہمیشہ مضامین سے زیادہ ہوتی ہیں اور رہا آپ کا سوال تو جب کندھ کوٹ والے اچھی تحریریں بھیجیں گے تو ضرور چھپیں گی۔ **کاشف جمیل، تربت۔** آنکھ مچولی ملا سب کہانیاں اچھی تھیں۔ **ثوبیہ اقبال، کراچی۔** میں نے چند لطیفے ارسال کئے تھے۔ لیکن آپ نے شائع نہیں کئے۔ ○ .....ثوبیہ بی بی! آپ کے لطیفے زوردار نہیں تھے۔ مزے دار لطائف ارسال کیجئے۔ **شائلہ ظفر، گوجرہ۔** میں آنکھ مچولی کا سالانہ خریدار بننا چاہتی ہوں کتنے پیسے منی آرڈر کروں؟ ○ ..... صرف ۲۵۰ روپے منی آرڈر بھیج دیجئے۔ آنکھ مچولی ایک سال تک آپ کو بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ملتا رہے گا۔ **رحمت اللہ شبیر، گجرات۔ فوزیہ علوی، پٹارو۔ عرفان عامر، گل طور، جہلم۔ احمد رزاق، کراچی۔ فاطمہ عارف، کراچی۔ سید فرحان احمد، حیدر آباد، پرنس افضل شاہین، بہاول نگر۔** ستمبر کا شمارہ پسند آیا۔ سب تحریریں بہت معیاری تھیں۔ سعودی عرب کا ضمیمہ پڑھ کر وہاں جانے کی خواہش ہوئی۔ رسالے کی قیمت بڑھ گئی۔ لیکن آپ کی بھی مجبوری ہے کیا کریں؟

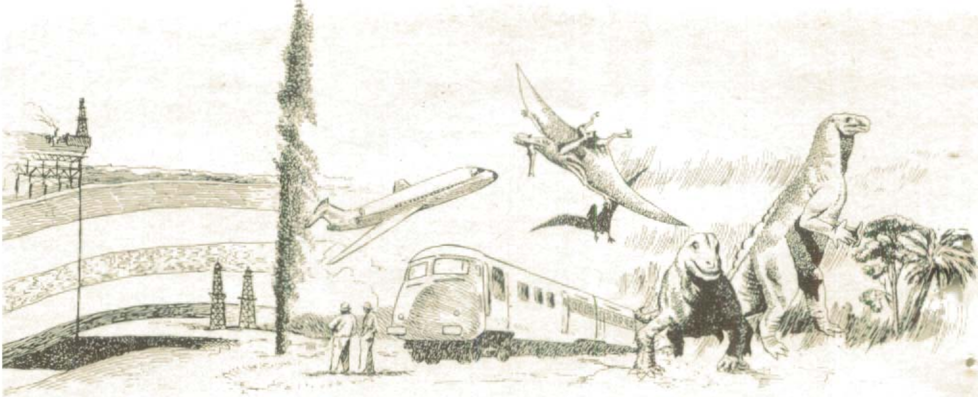

اُفق دہلوی

گیس

سنا ہے کروڑوں برس پیشتر — زمیں پر سمندر ہی تھا بیشتر
کئی قسم کے اس میں تھے جاندار — درخت اور پودے بھی تھے بے شمار
تغیّر سے جب جانور مر گئے! — سمندر کی تہہ میں وہ گھر کر گئے
کبھی کیچڑ اور ریت میں وہ دبے — دبے اس طرح سے کہ برسوں ہوئے
تہوں پر تہیں اُن پہ چڑھتی گئیں — چٹانوں کی صورت سے بڑھتی گئیں
عمل جب حرارت کا ہوتا گیا — دباؤ چٹانوں پہ بڑھتا گیا
جو پودے تھے، اور جانور تھے دبے — کبھی رفتہ رفتہ وہ گل سڑ گئے
زمیں میں جو ہوتا رہا تھا عمل — گئے تیل اور گیس میں وہ بدل
اِدھر سے اُدھر پھر چٹانیں ہٹیں — جو تھیں رفتہ رفتہ سرکتی رہیں
مسام ان چٹانوں میں جتنے بھی تھے — وہ سب تیل اور گیس ان میں پھنسے
بنی گیس کچھ تیل کے ساتھ ہی — بنی کچھ زمیں کی حرارت سے بھی!
عمل یہ جو ہوتا رہا تھا کبھی — اسی سے بنی گیس جو اب ملی

ملا تیل بھی اور ملی گیس بھی
افقؔ تہہ کی ایسی چٹانوں میں ہی

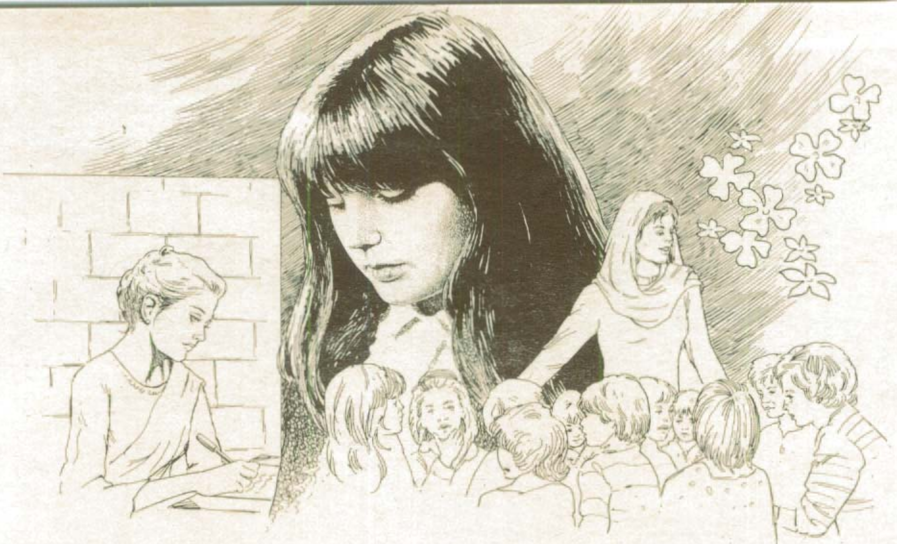

ہُوا یُوں کہ ......

اس ماہ سے سچے واقعات پر مشتمل نیا سلسلہ "ہوا یوں کہ" شروع کیا جارہا ہے۔ اس میں قارئین کے ایسے ناقابل فراموش واقعات شامل کئے جائیں گے جن میں مزاح، خوشی، غم، حیرت، خوف یا عبرت کا پہلو نمایاں ہو۔ قابلِ اشاعت واقعات بھیجنے والے ہر ساتھی کو آنکھ مچولی کی اعزازی کاپی کے علاوہ خوب صورت تحفہ بھی ارسال کیا جائے گا۔

اگست ۹۵ء تک ہمیں مندرجہ ذیل ساتھیوں کی تحریریں موصول ہوئیں۔

قابل اشاعت :

سعود احمد سومرو، گدو بیراج، افشین علی، (؟) سمیرا مگسی، کوئٹہ۔ سیدہ کرن، ہری پور۔ ہما افتخار، کراچی۔ محمد ظفر اللہ ضیاء کمالیہ۔ صبا قادر، کراچی۔

ناقابل اشاعت :

محمد حیات عبداللہ، کہروڑپکا۔ محمد اشفاق اعوان، ایبٹ آباد۔ حارث وحید، لاہور۔ طارق خالق اعوان، میرپور ماتھیلو۔ نصیر احمد انصاری، فیصل آباد۔ طارق رفیق بھٹی، اوکاڑہ۔ عمران عثمانی، سرگودھا۔ زاہدہ امین ناگوری، عمر کوٹ۔ بلقیس، (؟) نادیہ خان، اسلام آباد۔

موت کی دہلیز پر

نزہت فیاض خان

ہوا یوں کہ......

جون ۱۹۹۱ء کی بات ہے۔ مسلسل فائرنگ شروع ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ یہ تو ٹھیک سے یاد نہیں کہ کتنے گھنٹے ہو چکے تھے مگر یہ یاد ہے کہ یہ فائرنگ مسلسل ایک دن اور ایک رات جاری رہی تھی۔ فائرنگ کی وجہ سے سب ہی اپنے گھروں میں قید تھے مگر کچھ لڑکے گلی میں بیٹھے اس صورت حال پر بات کر رہے تھے۔ ان میں میرے بھائی بھی شامل تھے۔ وہ سب ہمارے گھر کے سامنے چبوترے پر آرام سے پاؤں پسارے بیٹھے تھے۔ ایک دم امی کو خیال آیا کہ بھائی باہر بیٹھے ہیں۔امی اس وقت یاسین شریف پڑھ رہی تھیں۔ مسلسل فائرنگ کی آواز سے دہل کر امی نے پڑھتے پڑھتے رک کر کہا "نزہت!جاؤ جلدی سے الیاس کو اندر بلالو۔ خدانخواستہ کچھ ہو نہ جائے۔" میں بھائی کو بلانے گئی تو بھائی اس وقت بھی دوستوں کے ساتھ باتیں ہی کر رہے تھے۔ میں نے کہا "بھائی امی بلا رہی ہیں۔" وہ اچھا! کہہ کر اپنی بات ختم کرنے لگے۔ اتنے میں ہمارے پڑوسی یعقوب بھائی آئے اور کہنے لگے:" میں ابھی صورت حال دیکھ کر آتا ہوں"اور گلی کے کونے کی طرف بڑھنے لگے جہاں فائرنگ ہو رہی تھی۔سب ہی انہیں روکنے لگے کہ نہ جائیں ادھر بہت خطرہ ہے مگر وہ ہنستے ہوئے بولے "ارے کچھ نہیں ہوتا۔ اور شیخی دکھاتے ہوئے نکڑ کی طرف بڑھ گئے۔میں بھی اندر جاتے جاتے دروازے ہی پر رک گئی۔ ہم سب کی نظریں یعقوب بھائی پر تھیں۔سب ہی انہیں پیچھے سے آوازیں دے کر روک رہے تھے مگر انہوں نے ایک نہ سنی اچانک ہم نے دیکھا کہ یعقوب بھائی دھیرے دھیرے بیٹھ رہے ہیں اور پھر یکایک وہ گر گئے۔ پہلے ہم سمجھے تھے شاید وہ چھپنے کے لئے بیٹھ رہے ہیں مگر پھر سب چلائے "ارے یعقوب بھائی کو گولی لگ گئی۔" سب بھاگے انہیں اٹھانے اور میں چیختی ہوئی اندر بھاگی۔"امی گولی لگ گئی!" ایک کہرام مچ گیا۔بڑی مشکل سے سب انہیں اٹھا کر لا رہے تھے۔میں نے دیکھا کہ یعقوب بھائی کے پیٹ میں گولی لگی تھی اور خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔تمام محلہ جمع ہو گیا اور سب ہی رونے لگے۔بڑی مشکل سے ایمبولینس بلوائی اور یعقوب بھائی کو ہاسپٹل لے جایا گیا۔ ان کے تین چھوٹے چھوٹے بچے بیوی اور ماں باپ زار و قطار رو رہے تھے۔ ایسے حالات میں ہاسپٹل لے جانا بڑا دشوار اور مشکل مرحلہ تھا اور جس کے پیٹ میں گولی لگے تو اسے بچانا بہت مشکل ہو جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے کہ ان کے ماں باپ بیوی اور محلے والوں کی دعائیں رنگ لائیں اور یعقوب بھائی صحت یاب ہو کر گھر آ گئے۔ صحیح

معنوں میں انہیں نئی زندگی ملی ہے۔میں اب بھی یہ واقعہ سوچتی ہوں تو خوف سے کانپ اٹھتی ہوں۔ شاید یہ واقعہ میں کبھی نہ بھولوں۔

وہ ایک خواب

صائمہ دلدار بھٹی، جہمرہ سٹی

ایک روز میں نے اپنے آپ کو بے شمار لڑکیوں کے ساتھ ایک گراؤنڈ میں پایا۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے ساتھی لڑکی سے پوچھا۔ "آج رزلٹ ہے! سنو۔" سامنے اسٹیج تھا اور ڈائس خالی پڑا تھا لیکن کوئی غیبی آواز آرہی تھی۔ "رول نمبر ۲۶ کلاس نہم بی اسکول بھر میں اوّل۔" اور بس پھر میری آنکھ کھل گئی۔ تو گویا یہ خواب تھا۔میں رول نمبر ۲۶ کے بارے میں سوچنے لگی۔میں بھی نہم بی کی طالبہ تھی اور کلاس کی بہترین طالبات میں سے ایک، میرا رول نمبر ۲۷ تھا اور ۲۶ رول نمبر والی لڑکی سرینہ کنول، نہایت عام سی طالبہ، جس کے پاس ہونے کا بھی ۱۰ فیصد چانس تھا۔ "خیر مجھے کیا۔" رفتہ رفتہ یہ خواب بھی ذہن سے محو ہو گیا۔ ہمارے سالانہ امتحانات قریب آگئے۔ پیپرز سے کچھ دن قبل ایک لڑکی نے نامعلوم وجہ کے سبب اسکول چھوڑ دیا اور حیرت انگیز طور پر میرا رول نمبر ۲۶ ہو گیا۔ لیکن میں اپنے پیپرز کی طرف اس طرح متوجہ تھی کہ اس تبدیلی کو محسوس ہی نہ کر سکی۔ خیر آخری پیپر تھا، مطالعہ پاکستان کا۔ انگلش کا پیپر دے کر نکلی تو میں نے ساتھ والی لڑکی سے پوچھا "کل کونسا پیپر ہے" "کل تو چھٹی ہے"۔ اس نے جواب دیا اور میں نے گھر آکر ڈیٹ شیٹ دیکھنے کی زحمت ہی نہ کی۔ اگلے روز سب بہن بھائی اسکول چلے گئے تو میں بھی کتاب لے کر بیٹھی۔ تیاری میں نے اسی وقت شروع کی تھی کہ میری بہن نائلہ پھولے سانسوں کے ساتھ آئی۔ "صائمہ تمہاری ساری کلاس فیلوز تو پیپر دینے آئی ہیں اور تمہیں بلا رہی ہیں۔" ڈیٹ شیٹ دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ فوراً یونیفارم پہنا اور اسکول بھاگی یہ بھی شکر تھا کہ ابھی اسکول لگنے میں ۵ منٹ باقی تھے۔ پیپر میں مختلف غیر نصابی کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ میرے بہت کام آیا۔ خیر پیپر اچھا ہو گیا۔ اور اب رزلٹ کا انتظار تھا۔

خدا خدا کر کے رزلٹ کا دن آیا۔ میں اس دن گراؤنڈ دیکھ کر بہت حیران ہو رہی تھی۔ "بالکل ایسا منظر میں نے کہیں دیکھا ہے.... کہاں؟ مجھے یاد نہیں آرہا۔" میں نے سارا سے کہا۔ اور جب میں نے رزلٹ اناؤنسر کی آواز سنی تو ہکا بکا رہ گئی۔ "بالکل یہی آواز بالکل یہ میں"..... میں بڑبڑائی۔ اور جب میں اسکول بھر میں اوّل پوزیشن کا کپ سنبھال رہی تھی تو شدید ترین حیرت سے ہمکنار تھی۔ میری آنکھوں میں خواب والا منظر آرہا تھا نہم بی رول نمبر ۲۶......

سوال آدھا جواب آدھا

مرتب: محمد بن مالک

مقابلہ نمبر۴ کے درست جوابات

(۱) حضرت ادریس علیہ السلام
(۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ
(۳) میر حسن
(۴) صالحہ عابد حسین
(۵) ہمینگ برڈ
(۶) ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء
(۷) جانوروں کی پرورش
(۸) جہلم
(۹) فی میل (Per mile)
(۱۰) جے ساؤدرٹن (J-Southerton) جنہوں نے انگلینڈ کی طرف سے ۷۷-۱۸۷۶ء میں اپنا پہلا ٹیسٹ میچ ۴۹- سال، ۴ ماہ کی عمر میں کھیلا۔

انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب

محمد اویس، حیدرآباد

اس بار سوالات شاید مشکل تھے۔ کیونکہ صرف ایک ساتھی بالکل درست جواب دینے میں کامیاب ہو سکے۔ بہرحال بہت سے ساتھیوں نے اس مقابلے میں حصہ لیا۔ اور صحیح جواب دینے کی کوشش بھی کی۔ ہم تمام قارئین کے شکرگزار ہیں جنہوں نے اس کوئز مقابلے میں دلچسپی لے کر اسے کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ مقابلہ نمبر۴ اس سلسلے کا آخری مقابلہ تھا۔ آئندہ جلد ہی ایک نئے کوئز کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

جن ساتھیوں کے خطوط ہمیں موصول ہوئے۔

بلال شاہد، کراچی۔ محمد ایوب منظر، لاہور۔ شیخ علی عمران قمر، پتوکی۔ رحمت اللہ بشیر، گجرات۔ ہمایوں سعید، ملتان۔ پرنس سرفراز احمد، ملتان۔ فیصل مختار، ملتان۔ قاسم بن نظر، کراچی۔ مونا اقبال، کراچی۔ محمد سہیل عبدالرزاق میمن، سکھر۔ حرا کوکب، کمالیہ۔ محمد ظفراللہ ضیاء، کمالیہ۔ اقرار حسین اعوان، چکوال۔ انجم رضا، چکوال۔ احمد علی رحمانی، شیخوپورہ۔ رانی بلقیس بانو، شیخوپورہ۔

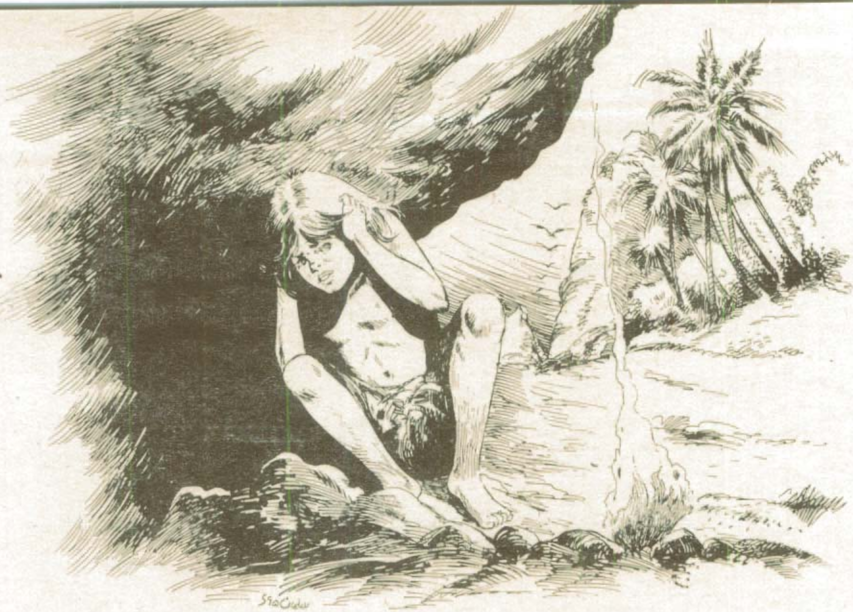

کہانی انسان کی

اسحاق منصوری

چوتھی قسط

ظالم بادشاہ کے ڈر سے ماں نے اپنے بچے حیؔ کو ایک صندوق میں بند کر کے سمندر کی لہروں کے حوالے کردیا۔ لہریں صندوق کو جزیرہ وقواق کے گھنے جنگل میں چھوڑ آئیں۔ یہاں ایک ہرنی نے اس بچے کو اپنے گم شدہ بچے کی جگہ پرورش کرنا شروع کیا۔ وہ اسے اپنا دودھ پلاتی، گرمی سردی سے بچاتی اور پیار و محبت سے چومتی چاٹتی۔ بچہ بھی ہرنی سے بہت پیار کرتا اور ہر دم اس کے ساتھ ساتھ رہتا۔ تھوڑا بڑا ہوا تو اس نے جنگل کے دوسرے جانوروں کو بھی دیکھا۔ وہ ان سب کی آوازوں کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا۔ اسے بعض جانور اچھے لگتے لیکن اس کی دوستی سب سے زیادہ ہرنی کے ساتھ ہی تھی۔ جب حیؔ کافی بڑا ہو گیا تو ایک دن اچانک ہرنی مر گئی۔ حیؔ بڑا حیران ہوا۔ اس نے ہرنی کے مرنے کی وجہ معلوم کرنے کے لئے اس کا آپریشن کر ڈالا۔ اسے معلوم ہوا کہ دل دھڑکنا بند کردے تو جاندار مرجاتا ہے۔ اور دل اس وقت دھڑکتا ہے جب اس میں روح ہو۔ ہرنی کے مرنے کے بعد حیؔ جزیرے کی سیر کو نکلا۔ تب ایک دن اس نے آگ کو دیکھا۔ **(اب آپ آگے پڑھیے)**

آگ پر گوشت بھوننا

حیّ نے سمندر کے کنارے پڑے ہوئے بہت سارے سمندری جانوروں اور مچھلیوں میں سے ایک مچھلی اٹھائی اور اسے آگ میں ڈال دیا۔ جب مچھلی آگ میں بھن گئی تو اس کے بھنے ہوئے گوشت کی مزے دار خوشبو ہر طرف پھیل گئی۔ یہ خوشبو حیّ کو بہت اچھی لگی اور اس میں کھانے کی خواہش پیدا ہوئی اس نے تھوڑی سی مچھلی کھائی تو اسے بڑا مزا آیا اس دن کے بعد تو حیّ کو گوشت کھانے کی عادت پڑ گئی۔ اب وہ اکثر گوشت بھونتا اور مختلف قسم کے جانوروں کے گوشت سے لطف اندوز ہوتا۔ وہ مختلف بحری اور بری جانوروں کا شکار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ اس میں ماہر ہو گیا۔ اب تو اس کی محبت آگ سے اور زیادہ بڑھ گئی۔

حی کے خیالات

آگ کی خوبصورتی اور اس کے فوائد اور طاقت کو دیکھ کر آگ سے اس کی دلچسپی بڑھ گئی اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جو چیز اس کی ماں کے دل سے نکل گئی تھی۔ آگ جیسی ہی کوئی چیز ہو گی اسے اپنے اس خیال پر یقین ہونے لگا کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ جاندار جب تک زندہ ہے اس میں گرمی پائی جاتی ہے اور جب مرجاتا ہے تو ٹھنڈا پڑجاتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ یہ قانون عام ہے۔ اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ اس کے دل نے ان خیالات کو مزید تقویت پہنچائی۔ مزید تقویت اس بات سے پہنچی کہ وہ خود اپنے سینے میں گرمی محسوس کرتا ہے اور یہی وہ جگہ تھی جہاں سے اس نے ہرنی کے جسم کو کاٹا تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ کسی جانور کو پکڑ کر اس کے دل کو چیر کر اس کھوکھلی جگہ کو دیکھے جو اس کی ماں کے دل میں بھی خالی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس زندہ جانور کے دل کا وہ حصہ آگ جیسی ہی کسی چیز سے بھرا ہوا ہو۔ پھر اس نے سوچا کہ شاید یہ آگ یا اس سے ملتی جلتی کوئی چیز حیوانات کے دل میں حرارت اور زندگی پیدا کرتی ہے۔ مجھے یہ لازماً تحقیق کرنی چاہیے ممکن ہے کہ دل کے اس حصے میں مجھے کسی قسم کی روشنی یا آگ نظر آئے۔

جانور کا دل

ابھی اس کے دل میں یہ خیال جما ہی تھا کہ اس نے ایک جانور پکڑا اور اس کے ہاتھ پاؤں اس نے کنڈے پر باندھ دیئے اب اس نے اسی طرح اس کا سینہ چاک کیا جس طرح کہ اپنی ماں کا سینہ چاک کیا تھا۔ اس طرح وہ دل تک پہنچ

گیا۔ پہلے اس نے دائیں جانب کو دیکھا تو وہ خالی جگہ آبی بخارات سے بھری ہوئی تھی جو کہ سفید کُہرے سے مشابہ تھا۔ اس جگہ اس نے اپنی انگلی ڈالی تو اسے اتنی زیادہ گرمی محسوس ہوئی گویا اس کی انگلی جل رہی ہے۔ اس کے بعد یہ جانور فوری طور پر مرگیا اب حی کو یقین ہوگیا کہ یہی گرم گرم آبی بخارات اس جانور کی زندگی کا سبب تھے اور یہی وہ چیز ہے جو تمام حیوانات کو زندگی کی حرارت سے مالا مال رکھتی ہے۔ یہ چیز جب کسی جاندار سے جدا ہوجاتی ہے تو وہ مرجاتا ہے پھر اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ جانوروں کے تمام اعضا کے بارے میں تحقیق کرے۔

روح اور جسم

مسلسل سوچنے سے اس پر یہ بات ثابت ہوئی کہ جانوروں میں ہر جانور کے بہت سارے اعضا ہیں اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس کے باوجود ہر جاندار کی روح ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ تمام روحوں کا ایک ہی سرچشمہ ہے اس طرح سے سارے جسم میں وہ ایک ہی جگہ سے حرکت کرتی ہے۔ جسم بہت سارے کام کرتا ہے وہ تمام کام ایک دوسرے سے بالکل جدا جدا ہیں لیکن ان تمام کاموں میں یہی روح دراصل کام کررہی ہوتی ہے۔ جسم کے تمام کام اسی روح کی خواہش کو پورا کرتے ہیں روح ارادہ کرتی ہے اور جسم اس پر عمل کرتا ہے۔ روح خواہش کرتی ہے اور جسم اس کی تکمیل کردیتا ہے۔

زندگی کا سامان

حیّ ان حقیقتوں کے بارے میں بہت زیادہ سوچتا رہتا تھا ان حقیقتوں کی رہنمائی اس کی عقل اور اس کی فکر نے کی تھی۔ اس کی یہ رائے بن گئی کہ یہ سب حقائق صحیح ہیں۔ ان میں شک نہیں کیا جاسکتا اس طرح یہ تمام باتیں جانوروں کی روح پر اس طرح سے صادق آتی ہیں جیسا کہ دوسری چیزوں کے بارے میں بیان کی گئی ہیں۔ یہی روح جسم کے تمام اعضا کو حرکت میں لاتی ہے اسی روح نے جسم کے ہر حصے کو زندگی عطا کی ہے حیّ کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ جانوروں کی روح ایک ہی ہے البتہ وہ مختلف کاموں کے لئے مختلف اعضا کو استعمال کرتی ہیں اور اپنی مرضی کی تکمیل کرلیتی ہیں۔ جب یہ روح آنکھ کے عضو کو استعمال کرتی ہے تو اسے بصارت (دیکھنا) کہا جاتا ہے۔ جب یہ روح کان کے عضو کو استعمال کرتی ہے تو اسے سمع (سننا) کہا جاتا ہے۔ یہی روح جب ناک کو استعمال کرتی ہے تو اسے سونگھنا کہا

جاتا ہے۔یہی روح جب زبان کو استعمال کرتی ہے تو اسے ذائقہ (چکھنا) کہا جاتا ہے۔یہی روح جب جلد اور گوشت کو استعمال کرتی ہے تو لمس (چھُونا) کہا جاتا ہے اور یہی روح جب جسم کے کسی بھی عضو کو کام میں لاتی ہے تو اسے حرکت کہا جاتا ہے جب یہ روح جگر اور معدے کو کام میں لاتی ہے تو اسے غذا اور خوراک کہا جاتا ہے۔

روح کی فضیلت

اوپر جتنے کام بیان کئے گئے ہیں ان تمام کاموں کو جانوروں کے اعضا انجام دیتے ہیں لیکن یہ تمام کام انجام دینے کے لئے روح نے مختلف راستے بنا رکھے ہیں جسے اعصابی نظام کہا جاتا ہے۔ جب کبھی یہ راستے ٹوٹ جاتے ہیں یا بند ہوجاتے ہیں تو متعلقہ عضو بے کار ہوجاتا ہے۔ یہی روح تمام اعضا میں گردش کرتی ہے۔ کسی بھی وجہ سے اگر کسی بھی جسمانی عضو میں اگر روح نہ پہنچ پائے تو وہ عضو کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ بالکل اسی ہتھیار کی طرح سے جو خراب ہوجاتا ہے تو اسے کوئی استعمال نہیں کرتا پھر وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔

اسی طرح جب یہ روح پورے جسم سے نکل جاتی ہے یا کسی طور پر ختم ہوجاتی ہے تو سارا جسم کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اور اس پر سکوت کی حالت طاری ہوجاتی ہے۔

حیّ کا اکیسواں سال : اب حیّ بن یقظان کی عمر اکیس سال ہوگئی۔ اس دوران اس نے انواع واقسام کام کئے مختلف جانوروں کی کھال اتار کر اپنا لباس بناتا اور اور انہی کھالوں سے اس نے اپنے چلنے پھرنے کے لئے جوتے بھی بنالیئے۔مختلف چوپایوں کے بالوں کو وہ دھاگے کے طور پر استعمال کرنے لگا اسی طرح جوٹ (پٹ سن) کے ریشوں سے اور ہر ریشے دار درخت سے اس نے دھاگے کا کام لیا۔ اسی طرح جانوروں کے مضبوط کانٹوں جیسی ہڈیوں کو وہ کنگھی کے طور پر استعمال کرنے لگا۔ اسی طرح بانس کو رگڑ کر اسے دھاری دار بنالیا۔

حیّ کا گھر : حیّ نے پرندوں کو دیکھا وہ محنت کر کے اپنا گھر بنالیتے ہیں۔ پرندوں کی دیکھا دیکھی اس نے بھی گھر بنالیا۔ وہاں وہ آرام کرتا اور شکار سے جو غذا بچ جاتی اسے رکھ چھوڑتا۔ اسی طرح اس نے بہت سارے بانس توڑ کر اس گھر کا ایک دروازہ بھی بنالیا تاکہ اس کی غیر موجودگی میں کوئی جانور اندر نہ آسکے۔ اس طرح حیّ نے اپنی عقل مندی اپنے تجربہ اور سوجھ بوجھ سے اپنا گھر بھی تعمیر کرلیا اور یوں اس کی زندگی

ہیں آہستہ آہستہ سلیقہ پیدا ہوتا گیا۔

شکار کا سامان : حیّ نے سوچا کہ جن جانوروں کو اور جن پرندوں کو اس نے پالا ہے انہیں شکار کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اس نے کچھ مرغیاں وغیرہ پالیں۔ جن کے انڈوں اور چوزوں کو وہ استعمال میں لاتا ہے۔ اسی طرح جنگلی گائے کے لمبے لمبے سینگوں کو اس نے بانس اور لکڑیوں پر مضبوطی سے باندھ دیا۔ آگ کے ذریعے انہیں مزید مضبوط اور خوبصورت بنادیا۔ وہ نیزے جیسی چیز بن گئی۔ اسی طرح اس نے کچھ جانوروں کی کھال کو ملا کر زرہ کے طور پر پہننا شروع کردیا۔ کیوں کہ اسے اکثر جنگلی درندوں کے حملے کا خطرہ رہتا تھا یہ زرہ اس کی حفاظت کا کام کرتی تھی۔

چوپایوں کا استعمال : حیّ نے محسوس کیا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے بہت کام لے سکتا ہے اور اس نے یہ دیکھا کہ تمام جانوروں کے مقابلے میں اس کے ہاتھ سب سے زیادہ کام آتے ہیں۔ اس نے سوچا کہ اس کے باوجود جب وہ کسی جانور کو پکڑنا چاہتا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔ اس کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اس کا پیچھا نہیں کرسکتا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے بارے میں حیّ سوچنے لگا۔ بہت سوچنے کے بعد اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کچھ تیز رفتار جانوروں سے دوستی کرنی چاہئے۔ انہیں چارا کھلایا جائے ان سے محبت کی جائے اور پھر ان پر سواری کی جائے اِس گمنام جزیرے میں کچھ گھوڑے موجود تھے اور وہ آہستہ آہستہ انہیں سدھانے لگا آخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا ان کی پیٹھ پر اس نے جانوروں کی کھالیں بچھادی اور ان کے منہ میں لگام ڈال دی۔ اب بڑے مزے سے وہ ان گھوڑوں کو، گدھوں کو، سواری کے لئے استعمال کرنے لگا اور اس طرح اس کی وہ خواہش پوری ہوگئی کہ تیز بھاگنے والے جانوروں کو کس طرح پکڑا جائے اور پھر ان کا کس طرح پیچھا کیا جائے۔ اکیس سال کی عمر کو پہنچنے تک وہ جانوروں کے بارے میں بہت کچھ سیکھ چکا تھا۔

اکیس سال کے بعد : اب اس نے اپنے اردگرد موجود ہر قسم کی نباتات، معدنیات، جمادات، حیوانات مختلف قسم کے پتھر، مٹی، پانی، آبی بخارات، برف، سردی، گرمی، دھواں، ہر چیز پر غور کرنا شروع کردیا اس نے دیکھا کہ ان کی بے شمار خصوصیات ہیں۔ اور بہت سارے کام ہیں، کچھ کام تو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور کچھ کام ایک دوسرے کی ضد ہیں ہیں۔ وہ ان معاملات پر بہت زیادہ سوچنے لگا اس نے دیکھا کہ کچھ کاموں میں یہ سب چیزیں ملتی جلتی ہیں۔ اور کچھ کاموں میں ایک دوسرے سے

مختلف ہیں۔ ان تمام چیزوں کو شمار کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ جب اس نے بہت زیادہ غور و فکر کیا تو اسے یہ چیزیں بھی اپنے جسمانی اعضا کی طرح نظر آنے لگیں۔ یہ کچھ باتوں میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور کچھ کاموں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

انسان کیا ہے : حیّ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ انسان کے بے شمار اعضا ہیں ان کی بناوٹ اور ان کے کام ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن یہ سب اعضا ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان میں ذرہ برابر جدائی نہیں ہے اِس لئے یہ سب مل کر ایک ہی چیز ہیں۔ ان میں جو فرق نظر آتا ہے اس روح کی وجہ سے ہے جو تمام اعضا کو کنٹرول کرتی ہے۔

جانور کیا ہے : اسی طرح اس نے تمام جانوروں پر غور کیا ہر قسم کے جانور کے بارے میں بہت سوچا مثلاً ہرن، گھوڑے، گدھے، اور ہر قسم کے پرندے۔ اس نے کیا سوچا؟ اس نے ایک عجیب بات سوچی۔ اس کی عقل نے اسے بالکل صحیح نتیجے پر پہنچا دیا کہ یہ تمام جانور اپنے ظاہری اعضا اور پوشیدہ اعضا میں اور خواص کے معاملے میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ صرف تھوڑی سی باتوں میں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے اِن سب میں ایک ہی

جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

☆ چھتری وہ واحد چیز ہے جسے ہم بارش سے بچانے کی کوشش نہیں کرتے۔

☆ اخبار میں دلچسپی اس وقت دس گنا بڑھ جاتی ہے جب کوئی دوسرا اسے پڑھ رہا ہو۔

☆ آپ گھڑیوں کی سوئیوں کو واپس نہیں لا سکتے مگر انہیں چابی تو دے سکتے ہیں۔

☆ محبت اور وقت دو ایسی چیزیں ہیں جو خریدی نہیں جا سکتی مگر خرچ کی جا سکتی ہیں۔

☆ زندگی سائیکل پر سواری کی مانند ہے جس سے آپ اس وقت تک نہیں گرتے جب تک پاؤں چلاتے رہیں۔

روح پائی جاتی ہے۔ مختلف جسموں میں جا کر روح نے مختلف شکلیں اختیار کر لی ہیں۔ اگر تمام روحیں ایک بڑے سے برتن میں جمع کر لی جائیں تو وہ ایک ہی چیز بن جائے گی اور اس کی ایک ہی شکل ہوگی۔ اس لحاظ سے تمام ہرن ایک ہی قسم کے ہیں۔ تمام گائے، بیل ایک ہی قسم کے ہیں تمام گھوڑے ایک ہی قسم کے ہیں۔

مشترکہ خصوصیات : اب اس نے تمام جانوروں کے بارے میں سوچا۔ بہت زیادہ غور و فکر کیا تو کس نتیجہ پر پہنچا؟ اس نے دیکھا کہ ان تمام جانوروں میں خواص پائے جاتے ہیں اِسی طرح نشوونما کے لئے ان سب کو غذا کی

ضرورت ہے۔ یہ سب جانور حرکت کرسکتے ہیں اور اپنی مرضی سے جہاں چاہیں وہاں جاسکتے ہیں اب حیّ اس نتیجے پر پہنچا کہ خواص، غذا اور حرکت یہ حیوانات کی روح کے خاص خاص کام ہیں۔ ان مشترکہ کاموں کے علاوہ جو مختلف خصوصیات مختلف جانوروں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ بنیادی اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔ اس لئے تمام جانوروں کی روح ایک ہی قسم کی ہے۔ اس نے اس بات کو ایک بہت خوب صورت تشبیہ سے سمجھا ان مختلف حیوانات میں جو مختلف روحیں پائی جاتی ہیں ان کی مثال اس پانی کی طرح ہے جسے بہت سے برتنوں میں ڈال دیا جائے تو پانی کی شکل برتن جیسی ہو جائے گی کچھ برتن گرم ہوں گے اور کچھ ٹھنڈے ہوں گے لیکن ان سب میں پائی جانے والی چیز کی حقیقت ایک ہی ہے۔

نباتات کیا ہیں : پھر وہ مختلف درختوں اور پودوں پر غور کرنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ نباتات کی بھی بے شمار قسمیں ہیں لیکن ان قسموں کے اختلاف کے باوجود یہ درخت اور پودے اپنی ٹہنیوں میں، پتوں میں، پھولوں میں، پھلوں میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس نے سوچا کہ اس کا معاملہ بھی حیوانات جیسا ہے۔ ان سب میں ایک ہی چیز کام کر رہی ہے جیسا کہ حیوانات میں روح کارفرما ہے۔ اس طرح اس نے یہ نتیجہ بھی حاصل کیا کہ ان تمام نباتات کی ایک ہی جنس ہے۔ اس نے دیکھا کہ یہ تمام نباتات غذا حاصل کرتے ہیں اور نشوونما پاتے ہیں۔

حیوانات اور نباتات : اب حیّ اپنے دل میں حیوانات اور نباتات کا مقابلہ کرنے لگا اس نے دیکھا کہ یہ دونوں ہی غذا حاصل کرتے ہیں اور نشوونما پاتے ہیں البتہ حیوانات اور نباتات میں فرق یہ ہے کہ حیوانات ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں ان میں کچھ ظاہری خواص پائے جاتے ہیں اور یہ کچھ باتوں کو سمجھ بھی جاتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ نباتات بھی کچھ باتوں میں حیوانات کی طرح ہیں کہ بعض پودوں کے پھول سورج کی سمت گھوم جاتے ہیں اور اسی طرح جڑیں اور ٹہنیاں بھی جہاں سے انہیں غذا ملتی ہے اسی طرف کارخ کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ

اس غور وفکر کے نتیجے میں وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ چیزیں بھی حیوانات اور نباتات دونوں میں مشترک ہیں۔ ایک میں عمدہ اور مکمل طریقے سے موجود ہے اور دوسرے میں ناقص انداز میں۔ اس کی مثال بھی پانی جیسی ہے۔ ایک قسم کا پانی جمع ہوا ہوتا ہے دوسرا مائع اور سیال، اس تمام سوچ بچار کے نتیجے میں حیّ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اصل میں دونوں ایک ہیں۔ (جاری ہے)

قلم دوست

انکی تحریریں جو ادیب بننا چاہتے ہیں

روشنی

محمدؐ سلیم امام

ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے غلام کے ساتھ کہیں جارہے تھے۔ راستے میں ان کو ایک ٹکڑا روٹی کا نظر آیا۔ آپؓ نے غلام سے فرمایا "تم یہ ٹکڑا روٹی کا اٹھا کر صاف کر کے رکھ لو۔" غلام نے ایسا ہی کیا۔ سفر پھر شروع ہوا۔

جب رات قریب آئی تو آپؓ نے غلام سے فرمایا کہ "وہ روٹی کا ٹکڑا مجھے دے دو۔" غلام نے کہا "وہ تو میں نے کھالیا ہے۔"

یہ سن کر آپؓ نے غلام کو آزاد کردیا۔ غلام حیران ہوا وجہ دریافت کی تو آپؓ نے فرمایا :

"میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ جو شخص بھی روٹی یا کسی بھی حلال چیز کو اٹھا کر کھالیتا ہے تو وہ چیز اس کے پیٹ کے اندر جانے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیتا ہے۔" حضرت عمر فاروقؓ ایک لمحے کو خاموش ہوئے پھر دوسرے ہی لمحے غلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "اور جس کی اللہ نے مغفرت فرمائی تو میں اس کو کیسے غلام رکھ سکتا ہوں.... تم آج سے آزاد ہو۔"

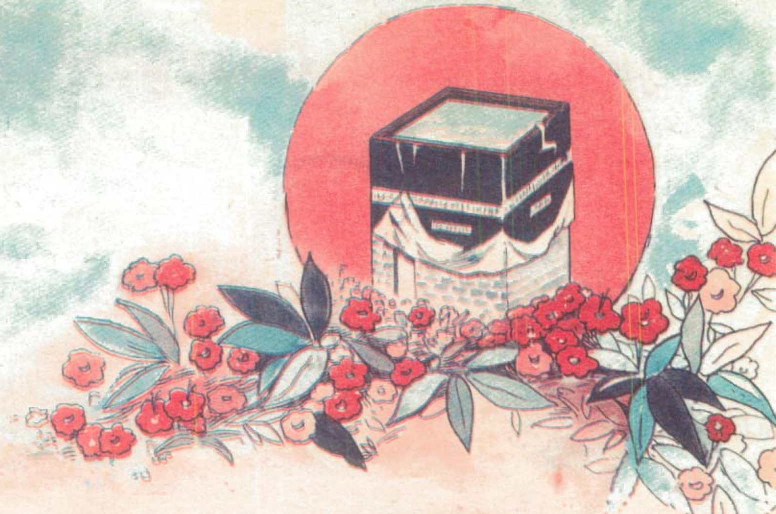

حمد

ریاض حسین قمر — منگلا ڈیم

دریا بہانے والا
گلشن سجانے والا
سنگلاخ پتھروں میں
سبزہ اُگانے والا

ہم سب کا وہ خدا ہے
جس نے جہاں بنائے
ہفت آسماں بنائے
صحرا کیے ہیں پیدا
اور گلستاں بنائے

ہم سب کا وہ خدا ہے

ٹھنڈی ہوا چلائے
کالی گھٹا اُٹھائے
جس نے عطا کیے ہیں
یہ دھوپ اور سائے

ہم سب کا وہ خدا ہے
انسان کا ہے خالق
حیوان کا ہے خالق
کوہ و دمن کا صانع
میدان کا ہے خالق

ہم سب کا وہ خدا ہے

نعت

مجاہد حسین باسط مرحوم

سب دُنیا کے پیارے ہیں وہ

ایسے راج دُلارے ہیں وہ

ان کی سیرت سب سے اعلیٰ

یعنی تیس سپارے ہیں وہ

درسِ اخوّت، دینے والے

عظمت کے مینارے ہیں وہ

محسنِ اعظم، محسنِ اعظم

رب کی آنکھ کے تارے ہیں وہ

ہم تو اتنا جانیں ہیں باسط

ہم ان کے ہمارے ہیں وہ

بچے کہاں سے آئے تھے؟

اکتوبر کے پہلے پیر کو دُنیا بھر میں بچّوں کا دن منایا جاتا ہے ۔ بچّے جو خوشبو ہیں جو اس دُنیا کی خوبصورتی ہیں ۔ ان کے نرم و نازک جذبات و احساسات کو کوئی بھی سخت بات توڑ دیتی ہے ..... شبانہ رشید ایسے ہی کچھ احساسات اپنی اس خاص تحریر میں آپ تک پہنچا رہی ہیں!!

ترجمہ و تلخیص **شبانہ رشید**، کراچی

درخت نے کہا: "بچّے تمہیں مل جائیں گے مگر یاد رکھنا انہیں مارنا یا ڈانٹنا نہیں کہ بچّے پھول کی طرح نرم و نازک ہوتے ہیں!!"

بوڑھی عورت آج بھی اُداس تھی وہ بالکل تنہا تھی اور غم اسے اس بات کا تھا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ وہ جنگل کے بیچ اپنی چھوٹی جھونپڑی میں اکیلی رہتی تھی۔ آج بھی وہ چلتے چلتے کافی دور آگئی تو ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر رونے لگی۔ اتنے میں اسے کسی کی آواز سنائی دی کوئی کہہ رہا تھا "اوہو تم رو کیوں رہی ہو اماں؟" بوڑھی عورت یہ آواز سُن کر خاموش ہو گئی پھر

آواز کی سمت غور سے دیکھا۔ آواز اسی درخت سے آئی تھی جس کے نیچے وہ بیٹھی تھی۔ بوڑھی عورت غور سے درخت کی شاخوں اور پتوں کو تکنے لگی۔ آواز دوبارہ آئی۔

تمہیں غمگین دیکھ کر مجھ میں بولنے کی طاقت آگئی ہے۔ میں تمہارا غم جاننا چاہتا ہوں مجھے بتاؤ تمہیں دکھ کیا ہے شاید میں تمہارے کسی کام آسکوں؟" درخت کی یہ بات سن کر بوڑھی عورت نے سر جھکا کر مغموم لہجے میں بتایا۔" میری کوئی اولاد نہیں میں اس دنیا میں بالکل تنہا ہوں" یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ درخت سے آواز آئی "تم رومت اور حوصلہ رکھو اب تم اپنے گھر جاؤ جب تم گھر جاؤ گی تو تمہاری خواہش پوری ہوجائے گی --- تمہیں بچے مل جائیں گے مگر یاد رکھنا ان بچوں کو کبھی مارنا یا ڈانٹنا مت کہ بچے پھول کی طرح نازک ہوتے ہیں۔"

تم سچ کہہ رہے ہو نا؟" بوڑھی عورت نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے پوچھا مگر درخت سے پھر کوئی آواز نہ آئی۔ "کیا درخت کی بات صحیح ہوگی؟" بوڑھی عورت نے سوچا پھر جلدی جلدی قدم اُٹھاتی اپنے گھر کی جانب چل دی پھر گھر میں داخل ہوئی تو اس کی نظر تین پیارے پیارے.... معصوم بچوں پر پڑی جو گھر کے کام کاج میں مصروف تھے ایک کے ہاتھ میں برش تھا دوسرا جھاڑ پونچھ کر رہا تھا اور تیسرا گندے کپڑے دھو رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ کر انہیں گلے لگالیا اور پیار کرنے لگی پھر اس نے تینوں بچوں سے پوچھا "تم کہاں سے آئے ہو؟" "ہم جہاں کہیں سے آئے ہیں بس آپ ہی کے بچے ہیں۔" ان میں سے ایک بچہ بولا جبکہ دوسرے نے سب کا تعارف کروایا۔ میرا نام ٹام ہے اس کا نام ٹیننگ اور یہ ٹون ہے۔ بوڑھی عورت بہت خوش ہوئی۔ تینوں کو سینے سے لگا کر بولی۔ اب تم میرے بچے ہو میرے پاس رہو گے اور کہیں نہیں جاؤ گے۔" ہاں ہم آپ کے پاس رہیں گے اور کہیں نہیں جائیں گے۔" تینوں ایک ساتھ بولے اور پھر گھر کے کام میں مصروف ہوگئے اب بوڑھی عورت بہت خوش تھی اس کی تنہائی دور ہوگئی تھی اور اب اسے گھر کے کام بھی نہیں کرنے پڑتے تھے۔ تینوں بچے گھر کا سارا کام کرتے وہ انہیں منع کرتی مگر وہ باز نہ آتے اور کام میں لگے رہتے حتیٰ کہ بوڑھی عورت کو اپنی گائے کی بھی فکر نہ رہی تھی۔ بچے ہی اسے چارہ ڈالتے اس کا دودھ دوہتے پھر دودھ شہر میں بیچ آتے اور پیسے بوڑھی عورت کے ہاتھ پر لا رکھتے۔ ایک دن بوڑھی عورت جنگل سے چہل قدمی کے بعد گھر واپس آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ گھر کے سارے برتن ٹوٹے پڑے ہیں اور تینوں بچے خاموش ایک کونے

س دبکے ہوئے ہیں۔
"افوہ! تم لوگوں نے میرے باپ دادا کے
رمانے کے برتن توڑ دیئے تمہیں نہیں معلوم یہ
کتنے قیمتی تھے؟" بوڑھی عورت کو غصہ آگیا بولی
یہ سب کس نے کیا؟" "ہم نے ہم کھیل رہے
تھے تو یہ برتن ہم سے ٹوٹ گئے۔ ہمیں معاف
کردیجئے۔" بچوں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا
کن بوڑھی عورت کو اپنے باپ دادا کے برتن
ٹنے کا بڑا دکھ تھا۔ غصے سے بولی۔ "دور ہو جاؤ
یری نظروں سے۔" یہ کہہ کر وہ گائے کے لئے
ارہ لینے جنگل چل دی۔ بچے اس کی ڈانٹ سُن کر
ہم گئے تھے۔ بوڑھی عورت تھوڑی دیر بعد
پس آئی تو اس نے بچوں کو گھر میں موجود نہ پایا۔

اس نے بچوں کو بہت آوازیں دیں، پھر وہ درخت کے پاس پہنچی اور کہا۔ "میرے بچے مجھے واپس کردو میں انہیں اب کبھی نہیں ڈانٹوں گی۔ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔" مگر درخت سے کوئی آواز نہ آئی۔ بوھیا نے بہت چیخ وپکار کی لیکن درخت خاموش رہا۔ مجبوراً وہ روتی دھوتی گھر واپس آگئی۔ اب اس کے روز و شب پھر اُداس اور غمگین ہوگئے۔ وہ ہر روز درخت کے پاس جاتی ہے درخت سے باتیں کرتی ہے اور بچوں کا پوچھتی ہے لیکن درخت خاموش ہے وہ اسے کس طرح بتائے کہ "بچے کتنے حساس، کتنے نازک ہوتے ہیں۔!!"

خوشبو

مرسلہ: لعل بخش

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کبھی کسی
و ڈائریکٹ نادم و شرمندہ نہیں کیا۔ حضورؐ
س طریقے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت
ئشہؓ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم کو کسی کی کوئی بات ناپسندیدہ نظر آتی تو
پ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کا نام لے کر
یں کہتے بلکہ یوں کہہ دیتے تھے کہ "وہ کیسے
ٹ ہیں جو ایسی باتیں کرتے ہیں۔" یوں سامنے
لے کو اشارتاً تنبیہہ ہو جاتی اور وہ دوسروں
ے سامنے شرمندہ ہونے سے بچ جاتا۔ باقی لوگوں
کو بھی اس حرکت کی خرابی معلوم ہو جاتی۔

بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زبانِ مُبارک سے کچھ نہ کہتے لیکن چہرے کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہؓ سمجھ جاتے اور ان کو تنبیہہ ہو جاتی۔

بچوں کے عالمی دن کے
حوالے سے لکھی گئی تحریر

تمہیں کیا خبر

احسن جبران

بازار میں بہت رش تھا اور اتنی بھیڑ میں ہونے کے باوجود ناصر خود کو اکیلا محسوس کر رہا تھا.... ایک ایسے بچّے کا قصّہ جسے اپنے گھر میں شفقت محبّت اور توجہ نہ مِل سکی... تو پہلے پاگل خانے کی کوٹھڑی نے اُسے پناہ دی پھر موت نے گلے لگالیا.... ہمارے معاشرے کی ایک چبھتی ہوئی کہانی ایک المیہ... احسن جبران کا اندازِ بیاں آپ کے دِل کے تاروں کو چھوئے گا...!!

"ہاؤ---" ناصر نے اچانک دروازے کی اوٹ سے نکل کر باجی کو ڈرا دیا۔

"پاگل---اب میں کیا بچی ہوں جو تمہارے اس طرح ڈرانے سے ڈر جاؤں گی۔" باجی حمیرا نے ناک چڑا کر کہا حالاں کہ وہ ڈر گئی تھیں۔ ناصر اپنا سا منہ لئے وہیں کھڑا سوچتا رہ گیا۔ کیا میں واقعی پاگل ہوں---اگر میں پاگل نہیں تو گھر والے مجھے پاگل پاگل کیوں کہتے ہیں---"کیا میں ان کا خون نہیں---اگر ہوں تو پھر مجھ سے پیار کیوں نہیں کرتے---؟؟" طرح طرح کے خیالات ناصر کے دماغ میں اُمڈ رہے تھے.....وہ.....احساس کمتری کا شکار ہو چکا تھا.... گھر میں صرف اور صرف حمیرا باجی اور منصور بھائی لاڈلے تھے.... ناصر ان سے چھوٹا تھا لیکن اس کی تو جیسے کوئی اہمیت نہیں تھی.......ابو اپنے کاموں میں لگے رہتے تھے......ان کا کاروبار اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ

گھر کو کم ہی وقت دے پاتے تھے.... امی گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی تھیں جبکہ حمیرا باجی اور منصور بھائی ناصر کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے..... اپنی گفتگو اور اپنی مصروفیات میں اسے بالکل شامل نہیں کرتے تھے.... ناصر کے مسئلے سے کسی کو آگاہی نہیں تھی..... آج بھی اس نے باجی حمیرا کو ڈرانا چاہا تو "پاگل" کا چبھتا ہوا جملہ سننا پڑا جس نے اس کے دل کو گھائل کر دیا تھا۔ ناصر روہانسا ہو کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا.... اور ایک ناول لے کر بیٹھ گیا.... اس کا معمول یہی تھا پڑھائی سے فارغ ہو کر یا تو ٹی وی دیکھتا یا پھر کوئی ناول پڑھنے بیٹھ جاتا.... "ارے او پاگل جاؤ بازار سے ایک جھاڑو لاؤ۔" باجی حمیرا نے اس کے کمرے میں داخل ہو کر اپنے مخصوص لہجے میں حکم دیا..... ساتھ ہی پیسے بھی ہاتھ میں تھمادیے..... "باجی آپ مجھے پاگل کیوں کہتی ہیں..... کیا میں واقعی پاگل ہوں۔" ناصر کی آواز میں بیچارگی تھی..... "اور نہیں تو کیا..... کبھی آئینہ دیکھا ہے..... تم تو چہرے سے ہی پاگل لگتے ہو.......... رہ گئی حرکتیں تو وہ بھی پاگلوں سے کم نہیں۔" باجی حمیرا کا لہجہ طنزیہ تھا۔ ناصر کا دل کٹ کر رہ گیا خاموشی سے اٹھا اور بازار جانے کے لئے گھر سے باہر نکل گیا۔ بازار میں بہت رش تھا لیکن ناصر خود کو اکیلا محسوس کر رہا تھا... اس کی ذہنی کیفیت پر برا اثر پڑ رہا تھا' اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ واقعی پاگل ہو جائے گا.....!

"حمیرا جاکر ناصر کو جگاؤ.... گیارہ بج چکے ہیں ابھی تک نہیں اٹھا..... پہلے تو نو بجے اٹھ جاتا تھا۔" امی نے ناشتے کی میز پر باجی حمیرا سے کہا۔ "افوہ! میں اس پاگل کو اٹھاؤں!!" باجی حمیرا نے برا سا منہ بنایا اور پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پھر جیسے ہی ناصر کے کمرے میں داخل ہوئیں تو حیران رہ گئیں۔ ناصر بستر پر اوندھا لیٹا تھا..... اور اس کے خوفناک قسم کے خراٹے پورے کمرے میں گونج رہے تھے---نوے کی بجائے پینتیس کے زاویے پر اوندھے منہ لیٹے ناصر کو حمیرا باجی نے جھنجھوڑ ڈالا "اٹھو میاں پاگل! گیارہ بج چکے ہیں۔" ناصر کی آنکھیں آہستہ سے ہلیں پھر کچھ لمحوں بعد باجی حمیرا نے ناصر کی آنکھیں کھلتی ہوئی دیکھیں .....وہ سیدھا ہوا اور پھر بغور باجی حمیرا کو دیکھنے لگا.....باجی حمیرا نے اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر محسوس کیا..... جیسے وہ کچھ کرنے والا ہو .....اور پھر وہ ہوا جس کی باجی حمیرا کو قطعاً" توقع نہ تھی۔ "چٹاخ" کی آواز آئی۔ ناصر کا بھرپور ہاتھ حمیرا باجی کے گال پر پڑا..... تھپڑ کھانے کے بعد حمیرا باجی پر چند لمحوں تک تو سکتہ طاری رہا پھر گال پر ٹیسیں اٹھنے کا احساس ہوا تو چیخ اٹھیں۔ اسی وقت ناصر نے ٹیبل کلاک میز سے اٹھائی اور ان کے سر پر دے ماری۔ حمیرا باجی کے تو پورے اٹھائیس طبق روشن ہو گئے۔ ایک چیخ مار کر دھڑام سے فرش پر جا گریں۔ ان کی زوردار چیخ اور فرش پر گرنے کی آواز سن کر سب لوگ ناشتے کی میز سے دوڑے چلے آئے کمرے میں داخل ہوئے تو ایک عجیب ہی منظر ان کا منتظر تھا۔ حمیرا باجی نیچے گری پڑی تھیں۔ ان کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔ جبکہ ناصر وحشیانہ انداز میں اپنے بال نوچ رہا تھا اور کمرے میں اس کے بھیانک قہقہے گونج رہے تھے۔ پھر اچانک اس نے اپنا سر پلنگ کے پائے پر مارنا شروع کر دیا۔ منصور بھائی اسے روکنے کے لئے آگے بڑھے تو ایک زوردار ہاتھ ان کے منہ پر پڑا وہ الٹ کر دور جا گرے۔ خون کی ایک باریک سی

لکیر ان کے ہونٹوں پر بہہ نکلی تھی...... "اسے کیا ہوگیا؟" امی روہانسی ہوکر بولیں۔ "روکو اسے!" ابو نے چلا کر کہا۔ "کیا ہوگیا ہے تمہیں؟" امی نے دوبارہ کہا۔ "میں پاگل ہوگیا ہوں ہاہاہاہا۔۔۔ہاہاہاہا!!" ناصر نے چیخ کر کہا اور تیزی سے اپنا سر پلنگ پر مارنے لگا جس سے اس کا ماتھا زخمی ہوگیا اور خون تیزی سے بہنے لگا.... منصور بھائی اور ابو نے آگے بڑھ کر اسے روکنے کی کوشش کی تو وہ ہاتھ پیر چلانے لگا..... ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی جن اس کے اندر سما گیا ہو۔ بڑی مشکلوں سے اسے قابو کیا گیا۔ ابو نے فون کرکے ڈاکٹر کو بلوا لیا ڈاکٹر کے آنے تک ناصر ہوش میں نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے تفصیل سے ناصر کا معائنہ کیا اور بہت سارے سوالات امی ابو سے کئے پھر سوالات کی روشنی میں ناصر کی حالت کا موازنہ کیا پھر کہا..... "آپ لوگ اس پر توجہ نہیں دیتے جس کی وجہ اس کا دماغ الٹ گیا ہے۔ میں نے کچھ دوائیں لکھ دی ہیں۔ ایک دو ٹیسٹ بھی ہوں گے لیکن دواؤں سے زیادہ اسے پیار و محبت کی ضرورت ہے۔"....ڈاکٹر کے جانے کے بعد گھر میں سب کو احساس ہوا کہ واقعی ناصر کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔

سب لوگ اس کی ناز برداریوں میں لگ گئے..... چھ دن تک تو سب نے اس پر خاصی توجہ دی لیکن پھر اس کے بعد سب اپنے اپنے معمولات میں لگ گئے

اور پھر تنہائی کا احساس ناصر کو ہوا تو ایک دن پھر اسے پاگل پن کا دورہ پڑ گیا۔

اس نے کمرے کی ساری چیزیں توڑ پھوڑ دیں' اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے' بڑی مشکلوں سے اسے قابو میں کیا گیا.....ڈاکٹر آیا۔

"مریض کا مرض بے حد خطرناک ہوگیا ہے اسے الگ کمرے میں رکھنا ہوگا یا....!!" ڈاکٹر ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر دوسرے ہی لمحے بولا۔ "یا پھر اسے "پاگل خانے" میں داخل کرانا پڑے گا۔" ڈاکٹر کے اصرار پر مجبوراً" ناصر کو پاگل خانے میں داخل کرانا پڑا.....پاگل خانے میں اسے ایک الگ کمرہ دیا گیا تھا کیوں کہ وہ دوسرے لوگوں کے لئے خطرناک ہوگیا تھا۔ ہر کسی کو کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا......پاگل خانے میں بھی عملے کے کئی لوگوں کو اس نے بری طرح کاٹ کھایا تھا.... "مجھے یہاں سے نکالو میں اپنے گھر جاؤں گا۔ میں نے بہت سا پڑھنا ہے۔ بہت بڑا آدمی بننا ہے بہت بڑا......میں پاگل نہیں ہوں میں بہت بڑا آدمی ہوں بہت بڑا" ناصر کبھی زور زور سے چلاتا یا پھر وحشیانہ قہقہے لگانا شروع کر دیتا۔ لوگ اس کے قریب جاتے تو انہیں بھنبھوڑنے لگتا۔ ایک دن غصے میں آکر اس نے کمرے کا سوئچ بورڈ توڑ دیا۔ پاگل خانے کے عملے نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا کہ جب شور مچا مچا کر وہ تھک جائے گا تو پھر دروازہ کھولیں گے کچھ دیر تک تو اس کے شور و غل کی آوازیں آتی رہیں پھر اچانک خاموشی چھا گئی۔۔۔موت کی سی خاموشی۔ عملے کے لوگوں نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا تو ساکت رہ گئے۔ ناصر اکڑے ہوئے سوئچ بورڈ کے تاروں سے چپکا کھڑا تھا۔ کرنٹ لگنے سے اس کا جسم اکڑ گیا تھا۔ پیلا رنگ ہلدی کی صورت میں جسم پر نمایاں تھا' پتلیاں ساکت ہوچکی تھیں لیکن آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں "تمہیں کیا خبر میں پاگل نہیں !!"

کلفٹن کی سیر

اسکولوں کے اکثر بچّے مضمون لکھنے سے بے حد گھبراتے ہیں۔ ایسے گھبرائے ہوئے بچّوں کے دلوں سے مضمون نویسی کا ڈر نکالنے کے لیئے آنکھ مچولی نے آسان و عام فہم زبان میں مضامین کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے جسے اسکولوں ہی کے بچّے لکھیں گے.... اِس سلسلے کا دوسرا مضمون پیشِ خدمت ہے جسے پانچویں جماعت کی طالبہ صدف مظفر نے لکھا ہے۔

آج ہم بہت خوش تھے۔ بہت دنوں بعد ہماری ایک خواہش پوری ہو رہی تھی۔ ابو ہمیں اور چھوٹے بہن بھائیوں کو کلفٹن کی سیر کے لئے لے جا رہے تھے۔ جب سب تیار ہو گئے تو ابو نے کرائے کی گاڑی کی اور سب گاڑی میں بیٹھ گئے گاڑی چل پڑی اور آدھے گھنٹے بعد ہم کلفٹن پہنچ چکے تھے۔ وہاں پہنچ کر سب سے پہلے تو ہم نے سمندر کا نظارہ کیا۔ ٹھاٹھیں مارتا نیلا نیلا سمندر اور سفید سفید جھاگ اُڑاتی بڑی بڑی لہریں جب شور مچاتی ساحل سے ٹکراتیں تو بڑا مزا آتا۔ ہم لوگ تھوڑے تھوڑے پانی میں گئے اور لہروں نے ہمیں بھگو دیا۔ مجھے تو بہت ڈر لگ رہا تھا۔ جب لہریں واپس جاتیں تو پیروں کے نیچے سے ریت کھسکنے لگتی۔ میں تو ڈر کر ساحل پر آ گئی۔ "ڈر پوک...... ڈرپوک" بچّوں نے میرا مذاق اُڑایا لیکن میں نے ہنس کر ٹال دیا پھر ہم نے اونٹوں پر سواری کی۔ یہ سواری میرے لئے تو کم از کم بہت خطرناک تھی۔ جب ہم اونٹ پر بیٹھ گئے تو وہ ایک دم کھڑا ہو گیا اور ہمیں یوں لگا جیسے ہم ابھی نیچے گر جائیں گے لیکن ایسا نہ ہوا پھر جب اونٹ نے بھاگنا شروع کیا تو ایسی بے ڈھنگی چال سے بھاگا کہ ہماری تو چیخیں ہی نکل گئیں۔

اونٹ کی سواری کے بعد ہم لوگ جھولوں میں بیٹھے۔ کلفٹن میں بجلی سے چلنے والے عجیب وغریب جھولے لگے ہیں۔ جھولوں کی سواری سے لُطف اٹھانے کے بعد ابو ہمیں "کار ڈاجنگ ہاؤس" لے گئے جہاں بجلی سے چلنے والی بہت ساری چھوٹی چھوٹی گاڑیاں تھیں۔ جب یہ چلتیں تو شرارے سے نکلتے۔ گڈو اور پپو نے گاڑیوں کی سواری کی اور کئی کاروں کو ٹکریں رسید کیں۔ ہم تو دور کھڑے ہو کر بس تالیاں بجاتے رہے۔

"کار ڈاجنگ ہاؤس" کی سیر کے بعد ابو ہمیں مچھلی گھر لے گئے۔ جہاں بڑے بڑے شیشوں کے پیچھے پانی میں چھوٹی بڑی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ ان کے تیرنے کا منظر بڑا دلفریب اور حیران کن تھا۔ یہاں ہم نے "گرین ٹرٹل" بھی دیکھے۔

مچھلی گھر کی سیر کے بعد ابو نے ہمیں باہر سے تلی ہوئی مچھلیاں کھلائیں جو بہت مزے دار تھیں۔ اب شام ہو چلی تھی اور ہم سب بہن بھائی خاصے تھک چکے تھے پھر گھر بھی یاد آ رہا تھا۔ ابو ہماری تھکن بھانپ چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے گاڑی کی اور ہم سب ہنسی خوشی گھر واپس چلے آئے۔

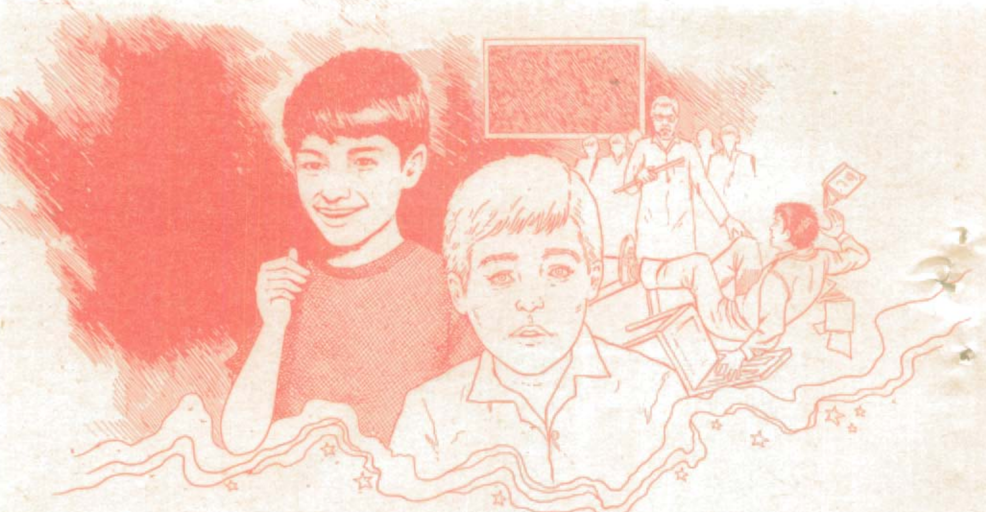

نالائق لڑکا

محمد راشد قریشی — کراچی

کبھی اسکول کا رستہ مجھے اچھا نہیں لگتا
کتابیں، کاپیاں بستہ مجھے اچھا نہیں لگتا
تعلیم سے نفرت مجھے ہے کھیل سے رغبت
مجھے کرکٹ سے دلچسپی، مجھے ہاکی سے ہے اُلفت
بھلا مزا کہاں پڑھنے کے کاموں میں
بہت ہی لُطف آتا ہے مجھے ٹی وی ڈراموں میں
سوچتا ہوں کس طرح تعلیم سے ہم دور ہوجائیں
میرے اللہ! یہ اسکول سارے چُور ہوجائیں

بس وہ ایک لمحہ

صائمہ نادر حسن — حیدر آباد

ہماری چاچی کے ہاں
ماسی بشیرن اور اس کی
بیٹی کام کرنے آتی ہے۔
ماسی بشیرن کی بیٹی جس کا نام نائلہ اور عمر تقریباً" پندرہ
سال ہے، بڑی سلیقہ مند اور پھرتیلی لڑکی ہے۔ چونکہ
میری چاچی کی دونوں بیٹیاں سونیا اور صاعقہ پڑھائی کے سلسلے میں

صاعقہ نے کہا: "یہ نوکروں کا گلاس ہے اس میں یہ چھوٹے لوگ پانی پیتے ہیں!!"

تم نہیں پیتی ہوگی لیکن میں ان گلاسوں میں پانی پی لیتی ہوں۔ میں نے ایک ہی سانس میں سارا پانی پی لیا۔

ہور ہوسٹل میں رہتی ہیں اور صرف چھٹیوں میں
گھر آتی ہیں اس لئے میں نے بوریت سے بچنے
کے لئے ماسی کی بیٹی نائلہ سے دوستی کرلی۔ اب
میں جب بھی چاچی کے ہاں جاتی..... تو میری اور
نائلہ کی خوب گپ شپ ہوتی۔

یہ پچھلے سال کی چھٹیوں کا واقعہ ہے کہ جب
میں جون کے آخری ہفتہ میں اپنی چاچی کے گھر گئی
تو وہاں سونیا اور صاعقہ بھی آئی ہوئی تھیں۔ خیر
...... میں اپنی کزنز سے باتیں کرنے لگی۔ باتیں
کرتے کرتے سونیا کہنے لگی کہ میں لاہور سے ایک
بالکل نئی مشین لائی ہوں۔

"مشین" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بھئی آئسکریم بنانے والی مشین" سونیا نے
کندھے اچکاتے ہوئے بتایا۔ "مما نے منگوائی
تھی۔"

"چلو دکھاؤ" میں نے اشتیاق سے کہا۔ سونیا مجھے
لیتی ہوئی باورچی خانے کی طرف چل دی۔ باورچی
خانے میں پہنچ کر سونیا تو مشین نکالنے میں لگ گئی
نائلہ میں پانی پینے کی غرض سے گلاس تلاش کرنے
لگی۔ سامنے ہی مجھے اسٹیل کا گلاس مل گیا اور

میں کولر سے پانی نکالنے لگی۔

اتنی سی دیر میں صاعقہ بھی باورچی خانے میں پہنچ کر نائلہ پر بُری طرح برسنے لگی کہ تم نے ابھی تک میرا کمرہ کیوں نہیں صاف کیا؟ وہ بے چاری معافیاں مانگنے لگی کہ باجی معاف کردو، ابھی روٹیاں پکا کر کردیتی ہوں۔

ادھر سونیا مجھے مشین دکھانے کی خاطر پلٹی تو میرے ہاتھ میں اسٹیل کا گلاس دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ گلاس کو دیکھ کر صاعقہ کے لبوں پر بھی دھیمی دھیمی مُسکراہٹ آگئی۔

"پاگل یہ نوکرانیوں کا گلاس ہے۔ اس میں یہ چھوٹے لوگ پانی پیتے ہیں۔ دانت بھی نہیں مانجھتے گندے!" سونیا نے منہ بناتے ہوئے مجھے اطلاع دی۔ غیر ارادی طور پر میری نظریں نائلہ کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ اس بے چاری کا چہرہ خفت، شرمندگی، احساسِ توہین اور اپنی کم مائیگی کے دُکھ سے سیاہ ہوگیا تھا۔ آنکھوں میں آنسو ضبط کرنے کی کوشش کے باعث گلابی ڈورے نمایاں ہوگئے تھے۔ وہ بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔

سونیا پھر بولی "پتہ نہیں اس گلاس میں کیسے کیسے جراثیم ہوں گے۔ تم شیشے کا گلاس لے لو۔ ہم ان گلاسوں میں پانی نہیں پیتے۔"

یہ سُن کر نائلہ کا ضبط جواب دے گیا۔ ایک گرم اور بے مایہ آنسو اس کے رخساروں سے ہوتا ہوا اس کی ہتھیلی کی پشت پر ٹپک گیا۔ اتنا ذلیل ہوتا ہوا تو میں نے اپنی زندگی میں کسی کو نہ دیکھا تھا جتنا سونیا اپنی باتوں سے نائلہ کو کررہی تھی۔ اور پھر جیسے...... میری گردن تن سی گئی۔ میں نے عجیب فخریہ اور ٹھوس.... لہجے میں کہا "تم نہیں پیتی ہوگی لیکن میں ان گلاسوں میں پانی پی لیتی ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے ایک ہی سانس میں سارا پانی پی لیا۔ بس ایک لمحہ...... ہار اس ایک لمحے نائلہ نے مجھے جن...... نظروں سے دیکھا میں ان....... تاثرات کو کبھی نہیں بُھلا سکتی۔

مجھے اچھا لگا (انعامی واقعات کا سلسلہ)

مجھے اچھا لگا...... قارئین کی خوبصورت نیکیوں اور اثر انگیز سچے واقعات سے منتخب کیا جاتا ہے۔ نیکیاں اور واقعات جو انسانی زندگی کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں..... زندگی انسانوں کی خدمت سے ہی عبارت ہے۔ اپنی نیکیوں اور سچے واقعات میں سے اپنی زندگی کا خوبصورت لمحہ اپنی ایک عدد پاسپورٹ سائز تصویر کے ہمراہ قلم دوست کی معرفت لکھ بھیجیں...... سب سے اچھی نیکی / واقعے پر ایک عدد خوبصورت کتاب انعام میں دی جاتی ہے!!

انڈا جو ٹوٹا

عمران خان
لورالائی (بلوچستان)

انڈا جو ٹوٹا اس میں سے نکلا
ریشم کا گولا تھا کتنا بھولا
بطخ کا بچّہ بطخ کا بچّہ
میں نے بُلایا لیکن نہ آیا
ڈر کے وہ بھاگا پانی میں کُودا
بطخ کا بچّہ بطخ کا بچّہ
پانی تھا گہرا کچھ دیر ٹھہرا
مچھلی کو دیکھا ڈر کر بے چارہ
خشکی پہ بھاگا بطخ کا بچّہ

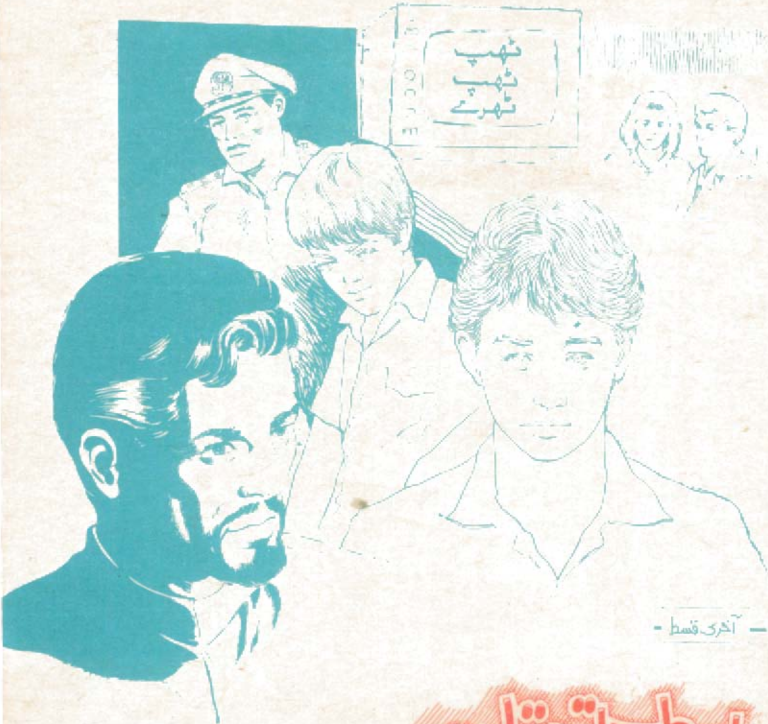

— آخری قسط —

اِس طرح تو ہوتا ہے

محمد اجمل انصاری

تم بھی اس کے ساتھی ہونا.......... میں تمہیں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" ظاہر بھگوڑی کو ڈھیر کرنے بعد وہ ریچھ جیسے بالوں والا میری طرف لپکا اور پوری قوت سے مجھ پر گٹار کا وار کیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے خود کو بچایا اور تیزی سے ایک طرف ہوگیا۔ اس کے گٹار کا وار زمین پر پڑا' اور زمین کو غصہ جو آیا تو اس نے گٹار کے دو ٹکڑے کردیئے۔ وہ ہکا بکا ہو کر ٹوٹے ہوئے گٹار کو دیکھنے لگا آدھا حصہ اس کے ہاتھ میں تھا اور آدھا زمین چاٹ گئی تھی۔

"بزدل گٹار سے لڑ رہے ہو..... ہاتھ سے لڑو ناں!!" میں نے کہا۔ "ہاتھ سے کیا میں دانتوں سے لڑوں گا۔" وہ دانت کچکچا کر تیزی سے آگے بڑھا اور میرے بازو میں اپنے نوکیلے دانت گاڑھ دیئے۔ میں نے گھبرا کر اسے خود سے الگ کرنا چاہا لیکن وہ تو کسی عفریت کی طرح میرے بازو سے چمٹ گیا تھا۔ اس کے نوکیلے دانت بازو میں گڑے جارہے تھے اور تکلیف کا احساس دوچند ہو چلا تھا۔" ٹھشوں ٹھشوں" میں نے تابڑ توڑ دو مکے اس کے گھونسلے

جیسے سر پر رسید کئے پھر جیسے ہی گرفت تھوڑی سی فشوں ہوئی میں نے زور سے اسے دھکا دیا۔ وہ قلابازیاں کھاتا ہوا زمین پر گرا لیکن کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں نہیں چھوڑوں گا تجھے' خون پی جاؤں گا تیرا۔"

وہ چیختا ہوا دوبارہ مجھ پر لپکا۔ اب میں بالکل تیار تھا جیسے ہی وہ قریب آیا میں نے اسے مکوں اور لاتوں پر رکھ لیا۔ وہ جتنی بار زمین چاٹتا اتنی ہی بار اٹھ کر یہی کہتا "میں تیرا خون پی جاؤں گا۔" لگتا ہے کم بخت کسی ڈریکولا کا ساتھی تھا...... مار کھانے کے باوجود اس کے پٹنے کی طاقت اور خون پینے کی خواہش کم نہ ہوئی تھی۔ اسی وقت جب کہ میں اس کی ٹھکائی لگانے اور وہ اپنی پٹائی کھانے میں مصروف تھا ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ "یہ کیا دھینگامشتی ہو رہی ہے۔ پکڑلو انہیں اور گاڑی میں بٹھا دو انہوں نے ایک بندے کو زخمی بھی کردیا ہے۔" میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ خلائی مخلوق کے چار پانچ سپاہی ہماری طرف بڑھ رہے تھے جبکہ ان کا چیف انہیں احکام دے رہا تھا۔ پتا نہیں کب خلائی موبائل لڑائی کی اطلاع پاتے ہی یہاں آن پہنچی تھی۔

قصہ مختصر اس ریچھ کے بال والے کو اور مجھے خلائی موبائل میں ڈال کر پہلے تو تھانے لے جایا گیا اور پھر رپٹ لکھ کر جھگڑا کرنے کے الزام میں جیل میں بند کردیا گیا۔ جیل لے جانے کے دوران بھی ڈریکولا نے ایک خلائی سپاہی کے بازو سے خون پینے کی کوشش کی لیکن سپاہی نے ایسا زبردست ہاتھ مارا کہ پورے دو گھنٹے تک وہ زمین پر کسی مری ہوئی چھپکلی کی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا۔

دوسرے دن ہمیں عدالت میں پیش کیا گیا جہاں جج نے پورا مقدمہ سننے اور لوگوں کے بیانات لینے کے بعد مجھے باعزّت بری کرنے کا حکم دے دیا جب کہ جھگڑا کرنے کے جرم میں ریچھ کے بال والے کو تین سال قید بامشقّت کی سزا سنائی گئی۔ سزا سنتے ہیں ریچھ کے بال والا چیخنے لگا۔ "تم لوگ ظالم ہو تم لوگوں نے ہی ہمارے ناچ گانوں پر پابندی لگائی ہمارے A ٹی وی' B ٹی وی' C ٹی وی اور G ٹی وی بند کرائے۔ ہمارا پرائیویٹ چینل C ٹین ٹین' اور S پین پین ملک بدر کیا لیکن ظالموں اب تمہارا احتساب ہوگا تمہیں ہمارے ملک سے جانا ہوگا ہم عنقریب تمہارے خلائی جہازوں میں تمہیں واپس بھیجیں گے۔ اور پھر وہی "گانوں بجانوں" کا دور واپس آئے گا۔ لڑکے لڑکیاں مل کر ناچیں گے ہم لوگ تمہاری اخلاقیات و روایات کی دھجیاں اڑا دیں گے!!!"

ریچھ کے بال والا اور بھی دھجیاں اڑاتا لیکن اب اسے زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا گیا اور سپاہی اس کے منہ پر ٹیپ لگا کر وہاں سے لے گئے۔

"اوں اوں .... اوں اوں اوں ......!!" وہ اب بھی چلّا رہا تھا۔ عدالت میں ظاہر بھگوڑی اور اس کے والد عبدالمجید صاحب بھی آئے تھے۔ ظاہر بھگوڑی کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ میرے رہا ہونے پر بے حد خوش تھا لیکن اس کے ابو کچھ فکرمند سے نظر آرہے تھے۔ "کیا بات ہے انکل آپ کیا سوچ رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔ وہ بولے۔ "ہمارے ملک میں بے شک ایک اصلاحی انقلاب آچکا ہے۔ لیکن اب بھی دو فیصد طبقہ جو کبھی عوام کے سینوں پر مونگ دلتا تھا اس انقلاب سے سخت ناخوش ہے۔ ان کی مراعات' ان کی عیاشیاں ختم ہو چکی ہیں۔ ایک

عوامی حکومت کو وہ کیسے پھلتا دیکھ سکتے ہیں سنا ہے ملک آریکا کے سائنسدانوں کے ساتھ ان لوگوں نے کوئی خفیہ میٹنگ کی ہے یہ لوگ خلائی مخلوق کو ہلاک کردینا چاہتے ہیں۔" عبدالمجید صاحب کی بات سن کر ظاہر بھگوڑی نے کہا۔ "لیکن خلائی مخلوق سے ٹکرانا تو بے حد مشکل کام ہے۔" "بظاہر تو مشکل ہے۔" عبدالمجید صاحب بولے "لیکن ناممکن نہیں...... مجھے خدشہ ہے کہ یہ لوگ کہیں اپنی سازشوں میں کامیاب نہ ہوجائیں۔"

"ایسا نہیں ہوگا انکل!" میں نے کہا لیکن اسی شام ایسا ہوگیا۔ عبدالمجید صاحب کا خدشہ درست ثابت ہوگیا۔ ایک تیز اور زود اثر گیس کے ذریعے آریکا کے سائنسدانوں نے خلائی مخلوق کو ہلاک کردیا۔ یہ گیس خلائی مخلوق کے لئے زہرِ قاتل تھی لیکن انسانوں کے لئے بالکل بے ضرر...... خلائی مخلوق کے ہلاک ہونے کے بعد چند ہی مہینوں میں ملک آریکا نے پوری دنیا پر اپنا نیو ورلڈ آرڈر دوبارہ نافذ کردیا۔ پھر وہی قتل وغارت گری، مار دھاڑ، لوٹ مار، اقربا پروری، بندر بانٹ، ناانصافی اور ظلم کا دور لوٹ آیا۔ A ٹی وی، B ٹی وی، C ٹی وی، سے لے کر Z ٹی وی تک کی بیہودہ نشریات شروع ہوگئیں۔ C نین نین اور S ٹی چین نے پھر واہیات اور لچر پروگرام پیش کرنے شروع کردیئے دو فیصد طبقہ دوبارہ برسراقتدار آچکا تھا اور اس نے عوام کے حقوق دوبارہ غصب کرلئے تھے۔ ظاہر بھگوڑی کے والد عبدالمجید صاحب پر جھوٹے مقدمات لگا کر انہیں جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا گیا تھا جبکہ ظاہر بھگوڑی اور اس کے اہلِ خانہ کی گرفتاری کے لئے حکومت جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھی لیکن وہ لوگ روپوش ہوچکے تھے اور کسی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ کہاں گئے ہیں؟

ایک روز میں اسکول جانے کے لئے گھر سے نکلا تو وہائٹ پارک کے پاس کچھ لڑکوں کو گٹار کے ساتھ ناچتے گاتے پایا۔ وہ بڑے بے ہودہ گانے گا رہے تھے اور چھوٹے بچوں کا ہجوم ان کے گرد جمع تھا۔ اسی وقت مجھے حضورؐ کی وہ حدیث یاد آگئی کہ بُرائی کو طاقت سے روک دو طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرو اور زبان سے منع نہ کرسکو تو اسے دل میں بُرا جانو اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔ میں آخری درجے کا مومن نہیں بننا چاہتا تھا اس لئے ان کے قریب پہنچ کر میں نے کہا "رُک جاؤ..... یہ کیا بے ہودہ گانے گا گا کر ملک کے بچوں کو بگاڑ رہے ہو کچھ تو خدا کا خوف کھاؤ تمہارا کام ناچ گانا نہیں ناچ گانا تو ہیجڑوں کا کام ہے۔" میری بات مکمل ہوتے ہی وہ سارے لڑکے اسٹیج سے نیچے اُتر آئے۔ "ارے! یہ تو وہی ہے جس نے ساحلِ سمندر پر مجھے مکوں اور لاتوں سے پیٹا تھا۔ اب آیا ہے نا ہاتھ..... اور دیکھو تو اس کی دیدہ دلیری ہمیں ہیجڑے کہہ رہا ہے۔" ایک لڑکے نے چیخ کر کہا میں نے غور سے دیکھا وہ وہی ریچھ کے بالوں والا تھا جس کی میرے ہاتھوں بڑی بری درگت بنی تھی۔ وہ سب لڑکے اپنے اپنے گٹار سمیت مجھ پر پل پڑے۔ میں نے ان کے تابڑ توڑ حملوں سے بچنے کی بڑی کوشش کی کچھ کی ٹھکائی بھی لگائی لیکن میں ایک اکیلا کب تک ان شیطان کے چیلوں سے لڑتا۔ لڑتے لڑتے جب میں بے دم ہوگیا تو ریچھ کے بالوں والے نے اپنا گٹار پوری قوت سے میرے سر پر دے مارا۔ میری آنکھوں کے آگے ستارے ناچ گئے۔ یوں لگا جیسے میرے سر کے دو ٹکڑے ہوگئے ہوں لیکن میرے سر کے دو ٹکڑے نہیں بلکہ برائی کے دو ٹکڑے ہوئے تھے، میرا سر نیکی کی طرح

سلامت تھا لیکن اس سے درد کی لاتعداد ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ میں چکرا کر زمین پر گر پڑا...... اسی وقت میری آنکھ کھل گئی دیکھا تو میں اپنے بستر سے نیچے گرا پڑا تھا...... "افوہ! تو کیا یہ سب خواب تھا!!" میں نے سکون کا سانس لیا۔

شام کو میں نے اپنا خواب ظاہر بھگوڑی کے والد صاحب کو سنایا تو وہ بولے۔ "جب کوئی قوم اپنے اصولوں اور ضابطوں سے ہٹ جائے تو انتشار و بدنظمی کا شکار ہو جاتی ہے اس کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگتے ہیں اور جب لوگ نیکی کو چھوڑ دیں اور بُرائیوں میں مبتلا ہو جائیں تو اسی طرح ہوتا ہے...... نیک ہیں وہ لوگ اور وہی فلاح پانے والے ہیں جو بُرائی کو بُرائی سمجھتے ہیں دوسروں کو اس سے روکتے ہیں اور خود اس سے لڑتے ہیں!!"

میں ظاہر بھگوڑی کے پاس سے واپس آیا اور جیسے ہی گھر میں داخل ہوا دیکھا تمام بہن بھائی...... امی ابو ...... اور تو اور...... دادا دادی بھی ٹی وی کے گرد عقیدت مندوں کی طرح بیٹھے ہیں اور بڑے مزے سے "جھپ جھپ ٹھرے" دیکھ رہے ہیں!!!

بلّے باز

تنویر اختر

☆ جاوید میانداد ٹیسٹ کرکٹ میں پانچ ہزار رنز بنانے والے دنیا کے کم عمر کھلاڑی ہیں۔

سویں ٹیسٹ میں ۲۵۰ سے زائد کی انفرادی اننگز کھیلنے کا اعزاز جاوید میانداد کے پاس ہے۔

☆ پانچ مختلف ممالک کے خلاف ڈبل سنچری اسکور کرنے کا اعزاز بھی جاوید میانداد کو حاصل ہے۔

☆ ٹیسٹ کرکٹ میں ڈبل سنچری بنانے والے سب سے کم عمر کھلاڑی جاوید میانداد ہیں۔

☆ جاوید میانداد اپنی ۲۲ ویں سالگرہ تک (۱۸۳۲) رنز بنا چکے تھے۔ ان کے علاوہ کوئی اور ۲۲ سال کی عمر تک اتنے ٹیسٹ اسکور نہیں کر پایا۔ اس طرح یہ بھی جاوید کا عالمی ریکارڈ ہے۔

شہر کے اِک چڑیا گھر میں

انتخاب ہما افتخار کراچی

مُرغی کے پھولوں کے گہنے
بطخ نے شادی پر پہنے

موروں نے وہ ناچ دِکھایا
ناچ بھی ایسا، سب کو بھایا

بُلبل نے جو کھیر پکائی
سب چڑیوں نے مِل کر کھائی

لنگور کے پاس تھے گرم پکوڑے
سب بگلے کھانے کو دوڑے

کوّے نے کی کائیں کائیں
مینڈک بولا مِل کر گائیں

کوئل بولی چیل سہیلی
بُوجھ، تُو میری ایک پہیلی

چڑیا گھر کا مُرغا بولا
ریچھ کا رَستا کس نے کھولا؟

شیر پنجرے سے للکارا
کس ظالم نے مجھے پُکارا

جاپانی لوک کہانی

کنول کی شہزادی

عبداللہ شہزاد گل

بہت عرصے کی بات ہے کسی جھیل کی نیلگوں سطح پر کنول کا ایک سرخ پھول تیرا کرتا تھا۔ اس میں ایک ننھی منی شہزادی رہتی تھی۔ بڑی نازک اور حسین۔ اس کے سر پر ریشم کا ایک ننھا سا تاج تھا اور تتلیوں کی طرح رنگ برنگ پر۔ وہ کنول دن بھر اس شہزادی کو اپنی گود میں لئے جھیل کی سیر کرایا کرتا تھا۔ رات کو جب شہزادی اس کی خوشبودار پتیوں میں سو رہتی تو وہ خوشی سے جھومنے لگتا۔ اور شہزادی کو جھولا جھلاتا۔ ایک دن شہزادی اپنے کنول میں بیٹھی جھیل کا سہانا منظر دیکھ رہی تھی کہ اتنے میں پروانوں کا ایک غول ادھر سے گزرا۔ انہوں نے بیچ کے سورج جیسے ایک کنول میں شہزادی کو دیکھا تو وہ اڑتے اڑتے وہیں رک گئے اور پھر بے اختیار شہزادی کے پاس جا پہنچے۔

اب وہ ہمیشہ اس موہنی شہزادی کے کنول کے گرد گھومتے رہتے، شہزادی کے حسن کی تعریفیں کرتے اور اس کے سنہرے بالوں کے قصیدے پڑھتے۔ اس کے کنول کے گھر کو سراہتے اور پھر ان میں سے ہر ایک یہ التجا کرتا "اے کنول کی شہزادی تو مجھ سے شادی کر لے۔"

جب پروانوں کی التجا کی کوئی حد نہ رہی تو تنگ آ کر ایک دن شام کے وقت شہزادی نے ان سب کو اپنے پاس بلایا اور کہا "اے میری محبت کا دم بھرنے والو! رات کے وقت میرے کنول کے گھر میں اندھیرا ہو جاتا ہے اور میں ڈرتی رہتی ہوں، جاؤ

میرے لئے کہیں سے روشنی لاؤ! تب میں جانوں گی کہ تم مجھے سچے دل سے چاہتے ہو۔ تم میں سے جو کوئی بھی روشنی لے آیا میں اسی سے شادی کر لوں گی۔" یہ سن کر پروانوں کے دل خوشی کے مارے سینوں میں اچھلنے لگے۔ روشنی لانے کا جنون ان کے سر پر ایسا سوار ہوا کہ وہ ایک پل بھی وہاں نہ ٹھہرے اور روشنی کی تلاش میں ادھر ادھر روانہ ہو گئے۔ رات کو پروانے اندھیرے میں چاروں طرف پھر رہے تھے کہ روشنی نظر آجائے تو اسے اپنے پروں میں لے کر شہزادی کے پاس جائیں۔ آخر انہیں ایک مکان کی کھڑکی میں سے روشنی نظر آئی۔ جھٹ اڑ کر اندر پہنچے۔ دیکھا کہ مکان میں ایک شمع جل رہی ہے۔ تب ایک پروانے نے محبت کے جوش میں اندھا دھند اس کے نورانی سر کو پکڑنا چاہا۔ مگر لو کے پاس آیا ہی تھا کہ وہیں تڑپ مر ہو کے رہ گیا۔ دوسرا بڑھا وہ بھی جل بھن کے راکھ ہو گیا۔ تیسرا آیا وہ بھی جان پر کھیل گیا۔ غرض رات بھر سینکڑوں پروانے شمع کے گرد ڈھیر ہو گئے۔ لیکن کوئی بھی شہزادی کے لئے روشنی نہ لے جا سکا۔ اب شہزادی کا حال سنئے۔ وہ اپنے کنول میں خوش خوش بیٹھی روشنی کا انتظار کر رہی تھی، کہ اتنے میں ادھر سے ایک جگنو کا گزر ہوا اس کے جسم سے روشنی کی ایسی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ کہ شہزادی کا کنول جگ مگ جگ مگ کرنے لگا۔ اسی رات کو کنول کی شہزادی اور جگنو کی شادی ہو گئی، لیکن بے چارے پروانوں کو اس کی خبر ہی نہ مل سکی۔

"وہ دن اور آج کا دن انہیں روشنی لے جانے کی دھن کے سوا کسی بات کا ہوش ہی نہیں آج بھی بارش کے دنوں میں آپ کو سینکڑوں پروانے روشنی کے گرد اڑتے اور اسے پکڑنے کی کوشش میں جان نثار کرتے نظر آئیں گے!!!

دوست

مرسلہ: کامران احمد غوری

☆ دوست کو بلا وجہ مت آزماؤ۔

☆ اگر کوئی دوست بنانا چاہتے ہو تو اپنے دل میں اس کے لئے ایک قبرستان تیار رکھو تاکہ اس کی برائیوں کو دفن کر سکو۔

☆ دوست بناتے وقت اس کی صورت نہ دیکھو بلکہ [illegible] دیکھو۔

گلدستہ

مرسلہ: فہد احمد شجرہ

☆ سب سے بلند سر اس شخص کا ہوتا ہے جس کا سر سب سے زیادہ اپنے رب کے سامنے جھکتا ہے۔

☆ انسان پہاڑ سے گر کر تو کھڑا ہو سکتا ہے مگر نظروں سے گر کر نہیں۔

☆ نفس قوت سے زیادہ طاقت ور ہے

یہ شعر مجھے پسند ہے

قارئین کے مُنتخب اشعار

دنیا پکارتی تھی تو اُٹھتے نہ تھے قدم
گونجی تیری صدا تو قدم رقص کر گئے

مرسلہ..... صائمہ دلدار، جھمرہ سٹی

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھئے جا کر نظر کہاں

مرسلہ..... محمد زاہد سلیم، کراچی

بدلا ہے زمانہ تو بدلئے روش اپنی
جو قوم ہے بیدار، یہ ہے اس کی نشانی

مرسلہ..... شبیر احمد آصف، کھوکھر

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں سے تاجِ سردارا

مرسلہ..... ابراہیم بلوچ، تربت

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

مرسلہ..... حسن رضا، کامرہ

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چُپ رہو
راست گوئی میں ہے رُسوائی بہت

مرسلہ..... ظفر علی، رحیم یار خان

جُھک کر سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے
سر مت جُھکاؤ اتنا کہ دستار گر پڑے

مرسلہ..... ماہ وش، ڈیرہ اسماعیل خان

حسن کردار میں مجسم قراں ہو جا
تجھے ابلیس بھی دیکھے تو مُسلماں ہو جائے

مرسلہ..... شکیلہ تبسم، حافظ آباد

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

مرسلہ..... حاجی مظہر حسین، بہاولنگر

ہمیشہ مل کے رہنے کے نتیجے نیک ہوتے ہیں
وہیں کچھ لُطف آتا ہے جہاں دل ایک ہوتے ہیں

مرسلہ..... محمد سعید گلاب، کراچی

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

مرسلہ..... راشد آدم، ونڈر

ہر ایک شخص کو خواہش ہے روشنی کی مگر
سوال یہ ہے کہ پہلا دیا جلائے کون

مرسلہ..... قندیل ضیاء، کمالیہ

یہ پاؤں جب چلیں تو راہِ مولا میں چلیں
یہ ہاتھ جب اُٹھیں تو خدا کے آگے

مرسلہ..... عفیفہ اطہر، حیدر آباد

دل و نظر سے بھی ہوتے ہیں عشق میں سجدے
جبیں کی قید نہیں ذوقِ بندگی کے لئے

مرسلہ..... مختار حسین ہاشمی، الہ آباد

فون خاموش ہے اور گیٹ کی گھنٹی ہے موت
جیسے اس شہر میں رہتا ہی نہیں تھا کوئی

مرسلہ..... محمد اختر سردار، کسووال

ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انساں پر
فعلِ بد تو خود کریں لعنت کریں شیطاں پر

مرسلہ..... صائمہ فیروز (؟)

شفاف ہو گئیں سبھی اونچی حویلیاں
اک جھونپڑی کی چھت نہ رہی بارشوں کے بعد

مرسلہ..... نادیہ قادر، کراچی۔

بچے کتنے اچھے

ممتاز الدین

اے آر عطا بلوچ

محمد عبید انصاری

تحریم اسلم

سید نبیل حسین

سید امام علی نقوی

نعمان احمد نویں کے سالانہ امتحان میں اوّل
[illegible]م وصول کرتے ہوئے

ذراب ظفر، جواد ظفر

آخری بات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انسان کے تین باپ ہوتے ہیں۔ ایک والد، دوسرا بیوی کا والد تیسرا استاد اور سب سے اچھا وہی ہے جس نے تمہیں علم سکھایا۔"

رسول اللہ کے اس فرمان سے پتہ چلا کہ اپنے استادوں کا بہت ادب کرنا چاہئے۔ استاد کا درجہ باپ سے بھی زیادہ ہے۔

اسلام میں علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ شاگرد کے لئے ضروری ہے کہ جب استاد سے کچھ پوچھنا ہو تو بہت ادب سے پوچھے۔ رسول اللہ کا فرمان ہے کہ

"استاد سے ادب کے ساتھ سوال پوچھنا آدھا علم ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدھا علم شاگرد کو ادب کی برکت ہی سے حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بہت بڑے صحابیؓ تھے۔ انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے علم حاصل کیا تھا حضرت عبداللہؓ اپنے استاد حضرت زیدؓ کا بہت ادب کرتے تھے۔ ایک دن حضرت زیدؓ اپنے گھر سے نکلے۔ گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو حضرت عبداللہؓ نے انہیں دیکھ لیا۔ بھاگ کر آئے اور گھوڑے کی رکاب تھام لی۔ پھر بڑے ادب کے ساتھ استاد کے پاؤں اس میں رکھے۔ حضرت زیدؓ منع کرتے رہے، لیکن حضرت عبداللہؓ نے فرمایا:

آپ میرے استاد ہیں، میں یہ عزت ضرور حاصل کروں گا۔"

آپ سب علامہ اقبالؒ کے نام سے واقف ہیں وہ ہمارے بہت بڑے شاعر ہیں۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنے ایک دوست سے کہا تھا:

"دنیا میں کوئی ایسا بڑا عالم نہیں ہے جس سے میں نہ ملا ہوں۔ میں نے سب سے بلا جھجک بات چیت کی ہے لیکن اپنے استادوں سے بات کرتے ہوئے میری زبان بند ہو جاتی ہے۔ ان کے ادب کے باعث میں ایک لفظ نہیں بول سکتا۔"

علامہ اقبالؒ کہا کرتے تھے کہ میں جو کچھ ہوں، اپنے استادوں کی دعاؤں کی بدولت ہوں۔

ہم سب کو چاہئے کہ اپنے استادوں کا ادب کریں۔ ان سے جو پوچھنا ہو ادب سے پوچھیں استاد کا ادب کرنے والے دنیا میں بڑا نام پاتے ہیں۔

جس کی خوشبو بھی پیاری
جس کی لذّت بھی پیاری
جو ہے سب کی پسند
میری مُٹھی میں بند
ہے کیا .... بتا دو نا
NAZ
DELICIOUS PAN MASALA
ناز پان
مصالحہ
ASHRAF PRODUCTS
P.O. BOX 3546, KARACHI-74800 PAKISTAN
CABLE: "TWO-IN-ONE" FAX: 021-7219548

REGD. No. M-266 OCTOBER 1995
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI